شبنم قیوم کے ناول "یہ کس کالہو ہے کون مرا" میں سیاسی و سماجی مسائل کی عکاسی

تحقیقی مقالہ برائے ایم-ایس (اُردو)

محقق

نعیمہ جان

رجسٹریشن نمبر:233-FLL/MSURDU/F17

نگران

ڈاکٹر حمیرا اشفاق

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو

شعبہ اُردو

کلیہ زبان وادب

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

CENTRAL
LIBRARY
ISLAMABAD

TH23956

اردو ادب - ناول

- سیاسی و سماجی جائزہ

B166719

روپیہ ۱۰ Rupees 10

بیان حلفی

مسماۃ نعیمہ جان دختر غلام محی الدین رجسٹریشن نمبر 233-FLL/MSURDU/F17 شعبہ اُردو(خواتین)

بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد برائے ایم ایس کی سکالر ہونے کی حیثیت سے اپنا مقالہ بعنوان

تسنیم منتوم کے ناول "یہ کس کا لہو ہے کون مرا" میں سیاسی و سماجی مسائل کی عکاسی۔

نگران استاد ڈاکٹر حمیرا اشفاق مکمل کیا ہے۔

مسماۃ نعیمہ جان دختر غلام محی الدین اس بات کا حلفاً اقرار کرتی ہوں کہ مقالہ ہذا ہر قسم کے سرقہ سے پاک ہے۔ مسماۃ نے مقالہ ہذا کو کسی اور ڈگری کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ پیش کرونگی۔ ان تمام حقائق کا اقرار کرتی ہوں کہ میں نے کوئی امر مخفی نہیں رکھا۔ لہذا غلط بیانی کیصورت میں ہر قسم کی ذمہ داری مسمات پر عائد ہوگی۔

العبد

نعیمہ جان دختر غلام محی الدین

رجسٹریشن نمبر 233-FLL/MSURDU/F17

پاسپورٹ نمبر N0508338

شعبہ: اُردو (خواتین)

بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

ATTESTED
ASAD ABBAS JAFRI
NOTARY PUBLIC
ISLAMABAD

اشٹام رجسٹر نمبر (845)

جعلی/ بلاک شناختی کارڈ پیش کر کے اشٹام حاصل کرنے والا خود ذمہ دار ہوگا۔ اشٹام پیپر کی تحریر و تکمیل و تصدیق سے اشٹام وینڈر کا کوئی تعلق نہ ہے۔ تحریر و تکمیل و تصدیق کا اشٹام خریدار خود ذمہ دار ہے۔

اشٹام مالیت: 10/-

بتاریخ: 03-02-2021

مساۃ نعیمہ جان دختر غلام محی الدین پاسپورٹ نمبر N0508338 رجسٹریشن نمبر 233-FLL/MSURDU/F17 شعبہ اُردو (خواتین) بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد برائے بیان حلفی۔

Tasneem Akhtar
Licence No. 462
I-10/ Markaz Islamabad

03-02-2021

بسم الله الرحمن الرحيم

ACCEPTANCE BY THE VIVA VOCE COMMITTEE

Name of the Student: **Nayeema Jan**

Title of the Thesis: شبنم قیوم کے ناول " یہ کس کا لہو ہے کون مرا" میں سیاسی و سماجی مسائل کی عکاسی

Registration No: **233-FLL/MSURD/F17**

Accepted by the Department of Urdu, Faculty of Languages & Literature, International Islamic University, Islamabad, in partial fulfillment of the requirements for the Master of Philosophy degree in Urdu.

VIVA VOCE COMMITTEE

Chairperson Viva Committee:

Dr. Humaira Ishfaq
Chairperson Department Of Urdu Female IIUI

External Examiner:

Dr. Arshad Mahmood Nashad
Associate Professor
AIOU , Islamabad

Internal Examiner:

Dr. Sabahat Mushtaq
Lecturer
Department Of Urdu, IIUI,
Islamabad

Supervisor:

Dr. Humaira Ishfaq
Assistant Professor
Department Of Urdu, IIUI,
Islamabad

اقرار نامہ

میں، نعیمہ جانحلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے ایم-ایس سکالر (اُردو) کی حیثیت سے صدر شعبہ اردو ڈاکٹر حمیرا اشفاق کی نگرانی میں مکمل کیا ہے۔میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ ہی آئندہ پیش کروں گی اور میرا یہ مقالہ سرقہ سے پاک ہے۔

نعیمہ جان

مقالہ نگار

فہرست ابواب

اقرار نامہ	ii
تصدیق نامہ	iii
پیش لفظ	v
باب اول: ریاست جموں و کشمیر میں اردو ناول نگاری کی روایت	۱
باب دوم: شبنم قیوم کے ناول یہ کس کا لہو ہے کون مرا میں سیاسی و سماجی مسائل کی عکاسی	۲۰
باب سوم: شبنم قیوم کے ناول یہ کس کا لہو ہے کون مرا میں تاریخی واقعات کا تجزیاتی مطالعہ	۴۴
باب چہارم: شبنم قیوم کا سیاسی و نظریاتی موقف (بحوالہ خصوصی یہ کس کا لہو ہے کون مرا)	۶۱
ماحصل	۷۶
کتابیات	۸۱
ضمیمہ جات	۸۶

پیش لفظ

وادی کشمیر اپنے جغرافیائی محلِ وقوع، سیاسی تاریخ، خوبصورتی اور فطری مناظر کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتی ہے۔ وادی کشمیر نہ صرف خدا کی دی ہوئی خوبصورتی سے پہچانی جاتی ہے بلکہ وہاں کے لوگوں کی تہذیب اور تمدن بھی اپنا الگ اور اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ وادی گُلپوش پر اس کی خوبصورتی کی وجہ سے ہمیشہ بیرونی حکمرانوں کی نظریں رہی ہیں۔ غرض اس حسین و سرسبز وادی یعنی وادی کشمیر کے لوگ ہمیشہ ہی ظلم و ستم کا نشانہ بنے رہتے ہیں اور اس طرح یہ جنت کا حسین ٹکڑا جلادوں کی شکنجہ میں آج بھی گھرا ہوا ہے۔ وہ کون سا ظلم ہے جو وادی کشمیر کے سادہ لوح عوام پر نہیں کیا جاتا ہے۔ بچپن سے یہ سنتے آئے ہیں کہ مسئلہ کشمیر پر برصغیر پاک و ہند کی تقسیم کا نامکمل ایجنڈا ہے جو حل طلب ہے۔ اس ساری وحشیانہ، سفاکانہ اور بربریت کا بحثیت کشمیری ہم بھی شکار ہوئے۔ ادب کا طلب علم ہونے کے ناطے میری یہ خواہش تھی کہ کشمیر کے موضوع پر لکھے گئے ادب کا مطالعہ کروں۔ دوران مطالعہ یہ بات سامنے آئی کہ کشمیر کے موضوع پر تقریباً تمام ناولوں پر کسی نہ کسی حد تک تحقیقی کام ہو چکا تھا لیکن شبنم قیوم کا ناول "یہ کس کا لہو ہے کون مرا" میں تشنگی پائی جاتی تھی۔ اس تشنگی کو دور کرنے کے لیے میں نے اس پر مقالہ لکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس ناول کا موضوع کشمیر کی سیاسی تاریخ سے منسلک ہے۔

مرکزی سطح پر ریاست جموں وکشمیر کو جس بحران کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور اندرونی مسائل نے جیسے اس کی جڑوں کو کھوکھلا کیا وہ تمام اسباب اس مقالے کو لکھنے کی وجہ بنے۔ تحقیقی سطح پر یہ مقالہ شبنم قیوم کے ناول "یہ کس کا لہو ہے کون مرا" میں سیاسی وسماجی مسائل کی عکاسی کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ناول اپنے اندر اُن تمام حقائق کو سموئے ہوئے ہے جس کی وجہ سے آغاز سے اب تک وادی کشمیر اور اس کے عوام مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔

اس مقالے کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا باب: "ریاست جموں وکشمیر اردو ناول نگاری کی روایت" کے نام سے ہے جو کشمیر میں اردو ناول کی روایت پر مبنی ہے۔اس باب میں ابتداء سے دور حاضر تک ریاست میں جتنے بھی ناول نگار ہوئے ہیں ان کی تصنیفات کا جائزہ لیتے ہوئے جموں وکشمیر میں اُردو ناول کو دیکھنے کی کوشش کی ہے۔

دوسرا باب: شبنم قیوم کے ناول "یہ کس کا لہو ہے کون مرا" میں سیاسی وسماجی حالات کو پیش کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس ناول کے وجود میں آنے کے اسباب بیان کئے گئے ہیں۔

تیسرا باب: شبنم قیوم کے ناول "یہ کس کا لہو ہے کون مرا" میں تاریخی واقعات کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔اس میں موجودہ صورت حال کو ماضی کی تلخ تاریخی واقعات کے حوالے سے پرکھنے کے ساتھ ساتھ اُن تاریخی واقعات کا بھی احاطہ کیا ہے جن کی وجہ سے کشمیر کا نقشہ تبدیل ہوا۔

چوتھا باب: شبنم قیوم کا سیاسی و نظریاتی موقف "یہ کس کا لہو ہے کون مرا" کے تناظر میں ریاست جموں وکشمیر میں آئے دن ہونے والے سیاسی کھیل کے سامنے رکھتے ہوئے تخلیق کار کے سیاسی موقف کو سمجھنے کو کوشش کی گئی ہے۔

"ماحصل" کے تحت تمام اہم مباحث کو مختصراً سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آخر میں ان کتابوں اور رسالوں کی فہرست دی گئی ہے جن سے مقالے کی تکمیل میں بالاواسطہ یا بالواسطہ مدد لی گئی ہے۔

اب ان لوگوں کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جنھوں نے اس مقالے کی تکمیل وترتیب میں میری مدد کی ان کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کرنا اپنا اخلاقی فرئضہ سمجھتی ہوں۔

سب سے پہلے میں اللہ پاک کی بے حد شکر گزار ہوں جس نے مجھ ناچیز پر بڑا فضل وکرم کیا اور مجھے یہ تحقیقی کام کرنے کا حوصلہ اور صلاحیت دی۔

اس تحقیقی مقالہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مہربان شفیق اُستاد اور اس مقالے کی نگران ڈاکٹر حمیرا اشفاق صاحبہ کی احسان مند اور شکر گزار ہوں جنھوں نے موضوع کے انتخاب سے لے کر مقالے کے اختتام تک نہ صرف اپنی سرپرستی سے سرفراز کیا بلکہ اپنی بے انتہا محبتوں اور شفقتوں کے ساتھ مقالے کی ترتیب میں ہر طرح کا تعاون کیا۔

اس موقع پر اپنے والدین کا ذکر نہ کرنا بڑی احسان ناشناسی ہو گی کہ انھوں نے اپنی تمام تر راحتوں اور آسائشوں کو قربان کر کے میرے لیے حصول علم کو ممکن بنایا اور ہر طرح کی ذمہ داریوں سے آزاد رکھ کر تحقیق کے لیے مطلوبہ یکسوئی عطا کی میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ انہیں صحت و سلامتی کی دولت سے نواز دے اور مجھ پر ان کا سایہ تاعمر قائم رکھے۔

میں اپنے خاندان کے دیگر احباب خاص طور سے اپنے بھائی معروف احمد لون کی مشکور ہوں جنھوں نے میری تعلیم حاصل کرانے میں دلچسپی لی اور اپنی بہنوں توقیرہ صبا اور بالخصوص رفعت کی بھی بہت ہی ممنون ہوں جنھوں نے اس کوشش کے دوران قدم قدم پر میری مدد اور رہنمائی کی۔

شعبہ سوشل سائنس (بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد) محترم استاد ڈاکٹر محمد خان صاحب کی بے حد شکر گزار ہوں جنھوں نے ہر وقت میرے اس کام کے دوران میرا حوصلہ بڑھایا۔

میں محترم شبنم قیوم صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جو میرے اس تحقیقی ہذا میں شامل تھے۔ محترم شبنم قیوم صاحب نے تحقیق کے دوران میرا بہت ساتھ دیا میں نے جب بھی موضوع کے متعلق ان سے فون پر بات کی تو وہ اپنی تمام مصروفیات کے باوجود بہت ہی محبت اور شفقت کے ساتھ میرے سوالوں کا جواب دیتے رہے۔

میں محترم ڈاکٹر وقار صدیقی صاحب (شعبہ اُردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کی بے حد احسان مند اور شکر گزار ہوں جنھوں نے اس موضوع کے انتخاب سے لے کر مقالے کی اختتام تک ہر ہر قدم پر میری رہنمائی

فرمائی۔انھوں نے تحقیق سے متعلق نہ صرف اہم کتابیں فراہم کی بلکہ ان کتابوں سے استفادے کا طریقہ کار بھی سمجھایا۔میں نے جب بھی موضوع سے متعلق ان سے بات کی اپنی بے انتہا مصروفیات کے باوجود بھی میری رہنمائی فرمائی اور اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازا۔

آخر میں اپنی ان تمام دوستوں کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جن کی حوصلہ افزائی سے میرے اس تحقیقی سفر کے تمام مشکل راستے آسانیوں میں تبدیل ہوتے رہے بالخصوص میں اپنی دوست ماریہ امجد کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جنھوں نے اس مقالے کی ترتیب میں اور اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ہر طرح کا تعاون کیا اور ہمیشہ میرا حوصلہ بھی بڑھاتی رہی۔

نعیمہ جان

ایم۔ایس(اُردو)

باب اوّل:

ریاست جموں و کشمیر میں اردو ناول کی راویت

ریاست جموں و کشمیر میں اردو زبان کے حوالے سے بات کی جائے تو یہ ان ریاستوں میں ایک ایسی ریاست میں ہے۔ جہاں اردو زبان سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہیں اس سے ریاست کے تینوں خطوں جموں، کشمیر اور لداخ میں رابطے کی زبان کا درجہ بھی حاصل ہے۔اس زبان کو عام لوگوں کے ساتھ ساتھ علماء، فضلاء، ادباء اور دانشوروں تقریباً ڈیڑھ صدی سے اپنائے ہوئے ہیں۔اس سے اپنے پیار و محبت کی سوغاتیں ہی نہ دیں بلکہ دنیا اسی کے توسط سے رابطہ رکھنے کے علاوہ اپنے جذبات واحساسات کو اسی زبان میں پیش کیا۔اسی لیے آج ریاست جموں و کشمیر اردو کا ایک اہم دبستان بن گیا ہے۔ وہاں بولی جانے والی تمام زبانوں میں اردو کو اولیت اور مرکزیت حاصل ہے۔ وہاں کے قلم کاروں نے اپنی اپنی زبانوں کو چھوڑ کر زیادہ تر اردو زبان میں ہی اظہار خیال کیا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہاں اردو ادب اس قدر پیدا ہوا۔ کہ اس دبستان کی ایک الگ جامع ادبی تاریخ بن سکتی ہے۔ وہاں کے ادباء، شعراء نے قریب قریب تمام ادبی اصناف میں اپنے قلم کے جوہر دکھائے ہیں۔اس کے علاوہ اردو کی تمام تحریکوں اور رجحانات کا بھی خیال رکھا۔یوں تو کشمیر کی سرزمین نے اردو کے بڑے بڑے شعراء وادباء اور دانشوروں کو جنم دیا ہے۔ وہاں پر اردو ناول کی بڑی تعداد ملتی ہے۔ وہاں کے ادیبوں نے جس طرح اس زبان کے دیگر اصناف جیسے غزل، نظم، ڈرامہ اور افسانہ کی طرف اپنی توجہ مرکاز کی تھی۔ اسی طرح انھوں نے صنف ناول کو بھی اپنالیا۔ کیونکہ ان تمام اصناف میں ناول ہی ایسی صنف تھی جس کے ذریعے وہ روزمرہ کے حالات و واقعات کو منظر عام پر لا سکتے تھے۔انھوں نے اس صنف کو اپنا کر وہاں کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی مسائل کو پیش کیا۔ چونکہ ناول اردو ادب کا ایک ایسا نثری قصہ ہے۔ جس میں حقیقی زندگی کا عکس نظر آتا ہے۔ ناول کا بنیادی کام ہی اپنے عہد کے سماجی حالات اور مسائل کی پیش کش ہے یہ ایک ایسا آئینہ ہے۔ جس میں ہماری امنگیں، آرزئیں، زندگی کی واردات، ذات، معاشرتی اور تمدنی سرد و گرم کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ ناول زندگی کی مکمل تصویر ہے گو یہ ناول میں زندگی کے مختلف واقعات و حادثات دلچسپ پیرائے میں پیش کیا جاتا ہے۔ دراصل ناول ایک تاریخی دستاویز بھی ہے جس میں مسرت و بصیرت اور غم والم کو پیش کیا جاتا ہے۔اس پیش کش میں مختلف کرداروں کی مدد لی جاتی ہے۔ گو یہ کہ یہ ایک طویل نثری قصہ ہے۔ صالحہ ذرین اردو ناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ میں بیان کرتی ہیں:

> ناول اردو نثر کی وہ صنف ہے جس میں خیال ایک واقعہ نہیں بلکہ خیالات اور واقعات کی بھیڑ ہوا کرتی ہے۔ اس تحریر میں کبھی کبھی برسوں کا عرصہ سمٹ آتا ہے۔اس لئے اس صنف کے فن وفکر کی تلاش میں تاریخ وتہذیب کا مطالعہ بھی لازمی ہوا کرتا ہے۔[1]

> ناول اردو نثر کی وہ صنف ہے جس میں سماج اور سیاست کے آثار سب سے زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔[2]

اس سے یہ صاف طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ناول اردو ادب کی وہ صنف ہے جس میں زندگی کی مکمل تصویر پیش کی جاتی ہے اس میں زندگی کے مختلف حادثات، حالات و واقعات اور مسائل و معاملات کو قدرے تفصیلاً اور نہایت ہی دلچسپ پیرائے انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔

ریاست جموں و کشمیر میں اردو ناول کے آغاز کے بارے میں بات کی جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ وہاں ۱۹۴۷ء کے بعد ہی اردو ناول مرکز توجہ رہی۔ وہاں ناول کا جو سرمایہ ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے۔ وہ سب کے سب ۱۹۴۷ء کے بعد کی پیداوار ہے۔[۳] لیکن ہم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ وہاں کے ناول نگار جس فنی مہارت و ریاضت کا ثبوت بہم پہچاتے ہیں۔ وہ امیر افزا بھی ہے اور قابل ستائش بھی۔ یہ ناول فنی، تکنیکی اور موضوعی سے حد درجہ رواتی ہیں۔ لیکن ناولوں کی اہمیت اس ہے کہ ان کا اصل دار و مدار اس بات پر ہے کہ مختلف سیاسی، سماجی، معاشرتی اور تہذیبی رنگوں کو پیش کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو کے کچھ جانے مانے ادیبوں نے کشمیر کو اپنا موضوع خاص بنایا ہے۔ ممتاز شعراء اور ادیبوں نے کشمیر کی وادیوں، دوشیزہ سبزہ زاروں، گھنے جنگلوں، برف پوش کہساروں اور قدرت کی دیگر رنگینیوں کو اپنی تخلیقات میں پیش کرنے کی کوشش کی لیکن ان تخلیقات میں کشمیر کا بیرون دکھائی دیتا ہے۔ جب کہ وہاں کے لوگوں اور ان کی معاشی، سیاسی و سماجی خستہ حالی ان کی نظروں سے اوجھل رہے۔ کشمیر کی رنگین اور خوبصورتی کا جادو ان پر کچھ اس انداز سے سر چڑھ کر بولا کہ وہ وہاں کی سسکتی اور تڑپتی زندگی کا اندازہ نہیں کر سکیں۔ جب کہ کشمیر میں لکھے گئے ناول سرسری معلومات اور اخباری اطلاعات پر مبنی ناول یا ڈرامہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ناول کشمیر کی سچائی ااور حقیقی زندگی کی عکاسی کرتی ہیں۔ منصور احمد منصور کشمیری ناولوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> متعدد ناول زندگی کی زہرناکی، انسانی رشتوں کے پیچ و خم کے ازلی و ابدی دکھوں اور المیوں کو فنکارانہ بصیرت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ یہ ناول افلاس اور استحصال کی مادی زندگی کے نقش ابھارتے ہیں۔ یہ آج کے انسان کے بے کل باطن کی پرچھائیوں کو مختلف انداز سے پیش کرتے ہیں۔[۴]

ریاست جموں و کشمیر میں اردو ناول کے ابتدائی کوشش ہمیں انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی سے ملنے شروع ہوتے ہیں۔ اس دور میں پنڈت سالگرام سالک اور مولوی محمد الدین فوق سامنے آئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ڈاکٹر پریمی یوں لکھتے ہیں:

> انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی میں سب سے پہلے ناول کی شروعات پنڈت سالگرام سالک اور مولوی محمد الدین فوق نے کی۔[۵]

اس طرح ریاست جموں و کشمیر میں اردو ناول نگاری کی ابتداء کا سہرا سالک کے سر جاتا ہے۔ سالگرام سالک نے دو ناول بعنوان داستان جگت روپ اور تحفہ سالک تصنیف کر کے نثر کے اس شعبے کی طرف توجہ کی۔ وہ بچپن ہی سے ادبی ذوق رکھتے تھے۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر چند اہم نثری تصانیف کے علاوہ شاعری کے کئی اچھے نمونے بھی پیش کیے۔ اگرچہ سالک کی تصانیف قطعی طور پر ناول کے روزمرہ میں شامل نہیں کی جاسکتیں۔ کیونکہ ان پر داستان رنگ غالب ہے۔ اور ان میں مافوق الفطرت عناصر کی بہتات ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر پریمی یوں لکھتے ہیں:

> داستان جگت روپ ناول سے زیادہ ایک داستان ہے اور اس میں پلاٹ در پلاٹ کی تکنیک کا التزام کیا گیا ہے اور کئی مقامات پر فوق الفطرت عناصر کی کارفرمائی بھی نظر آتی ہے۔٦

چونکہ یہ ریاست میں اردو ناول نگاری کے ابتدائی نمونے ہیں۔ لہذا ان کی تاریخی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ سالگرام سالک کی دوسری تصنیف تحفہ سالک جو انھوں نے مولوی نذیر احمد کے ناول مراۃالعروس کے تتبیع میں لکھی۔ اور اس میں قریب قریب وہ تمام عناصر پائے جاتے ہیں جو ناول کے لیے ضروری خیال کیے جاتے ہیں۔ اس طرح ریاست جموں و کشمیر میں ان دو ناولوں سے اردو ناول کی بنیاد پڑی اور دیگر ادیبوں کو اس صنف کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کیا۔

سالگرام سالک کے بعد مولوی محمد الدین فوق نے ناول نگاری کی طرف اپنی توجہ مرکوز کی۔ انھوں نے ناول نگاری کی تاریخ میں بہترین کوشش کی ہے۔ اور ریاست جموں و کشمیر کے اردو ادب کی تاریخ میں ایک ادیب، مورخ، صحافی اور ناول نگاری کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں کشمیر کی صحیح عکاسی کی ہے۔ مولوی محمد الدین فوق نے متفرق نثری کتابوں کے ساتھ ساتھ تاریخی اور نیم تاریخی قصے بھی لکھے۔ ان کے دو قصوں انار کلی (۱۹۰۰ء) اور اکبر (۱۹۰۹ء) کو بیسویں صدی کے ابتدائی ناول کہا جاسکتا ہے۔ ان کا ناول انار کلی امتیاز علی تاج کے ڈرامہ انار کلی سے بہت پہلے شائع ہوا۔ چنانچہ اس سلسلے میں پریمی کے مطابق:

> فوق کا ناول انار کلی ۱۹۰۰ء میں لاہور سے شائع ہوا۔۔۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب ابھی امتیاز علی تاج نے اپنا شہرہ آفاق ڈراما انار کلی نہیں لکھا تھا۔٨

فوق نے ان کے علاوہ اور بھی ناول تحریر کیے جن میں ناکام، ناصح مشفق، غربت الدیار، نیم حکیم اور اکبر قابل ذکر ہیں۔ ان ناولوں میں اکبر ایک ایسا ناول ہے۔ جو تاریخی ناولوں میں بلند مرتبہ رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے اکثر واقعات حقیقت پر مبنی ہے۔ اس سلسلے میں برج پریمی یوں لکھتے ہیں:

> اکبر تاریخی ناولوں میں درجہ امتیاز رکھتا ہے کیونکہ اس میں واقعات نسبتاً مستند ہیں۔۹

فوق اور سالک کے جن مصنفین نے اردو ناول نگاری کی تاریخ میں توسیع کی۔ ان میں موہن لال مروہ، وشوا ناتھ درما اور شبھو ناتھ ناظر اور پنڈت نند لال بے غرض خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ موہن لال مروہ نے داستان محبت کے نام سے ایک ناول لکھا۔ وشوناتھ درماں نے تلاشِ حقیقت کے نام ایک کتاب لکھی۔ جس پر ناول کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ نندلال بے غرض کا ناول تا زیانہ عرب اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے یہ ناول پنڈت رتن ناتھ سر شار کے ناول فسانہ آزاد کی تقلید میں لکھا۔ اور اس میں بھی فسانہ آزاد ہی کی طرح اول تا آخر داستانی رنگ غالب رہا۔

۱۹۴۷ء سے قبل کشمیر میں ناول نگاری کی روایت میں پریم ناتھ پردیسی کا نام اہمیت کا حامل ہیں۔ ۱۰ پردیسی اصل میں ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ مگر انھوں نے افسانہ نگاری کے ساتھ ساتھ ناول نگاری کی طرف بھی توجہ کر کے اس میں وسعت پیدا کی۔ انھوں نے پوتی کے عنوان سے ایک ناول لکھا۔ جس میں انھوں نے کشمیر کی حقیقی زندگی کی عکاسی کی ہے۔ لیکن بد قسمتی سے ان کا ناول ۱۹۶۲ء کے ہنگاموں میں رائگاں ہو گیا۔ ۱۱ ڈاکٹر برج پریمی اس سلسلے میں یوں لکھتے ہیں:

> انھوں نے (پریم ناتھ پردیسی) نے ایک بھرپور ناول پوتی کے عنوان سے لکھا۔۔۔ لیکن تقسیم کے دوران یہ تلف ہوا۔ اس طرح سے ایک اچھے ناول کے مطالعے سے محروم رہے۔۱۲

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تقسیم کے دوران پریم ناتھ پردیسی کا یہ ناول ضائع ہو گیا اس طرح سے ہم ایک اچھے ناول کے مطالعے سے محروم رہے۔ جس کی توقع پرین ناتھ پردیسی جیسے قلم کار سے ہو سکتی تھی۔

اس دور کا ایک اہم نام رامانند ساگر ہے۔ جنھوں نے اور انسان مر گیا ہے کے عنوان سے ایک اہم ناول تحریر کیا۔ جو اردو کا مشہور ناول ہے۔ انھوں نے یہ ناول فسادات کے موضوعات پر لکھا۔ اور ان کا یہ ناول فسادات پر ایک اہم ناول مانا جاتا ہے۔ اس ناول کو رامانند ساگر نے ابتدا میں فساد اور امن نام سے لکھنا شروع کیا تھا۔ یہ ناول انتہائی

ذہنی اور جذباتی خلفشار کے دوران ایک ہنگامی موضوع پر لکھا گیا ہے جس کی بنیاد انتہائی فرقہ وارنہ فسادات ہیں۔ اگرچہ ناول کے پلاٹ میں نظم وضبط نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی ساگر نے انسان دوستی اور درد خلوص کے ساتھ اس ناول کو لکھا ہے۔ یہ ناول ہندو پاک کے ادبی حلقوں میں ایک عرصے تک زیرِ بحث رہا ہے۔ اس حوالے سے برج پریمی لکھتے ہیں:

> یہ ہنگامی لٹریچر نہیں ایک کلاسیک ہے۔ اس کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ مرتی ہوئی انسانیت کی صدائے باز گشت ہے۔۔۔ اس میں آپ خوب پہچان لیں گے کہ انسانیت کی مرنے کے بعد شکل کیا ہو جاتی ہے۔ ۱۳

اگرچہ رامانند ساگر نے ریاست سے باہر ممبئی میں سکونت اختیار کی۔ لیکن ان کا تعلق سرزمین کشمیر سے ہے۔ وہ وہاں ہی پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے۔ اس لیے ان کی کہانیوں میں اسی سرزمین کی رنگ وبو کا احساس ہوتا ہے۔

۱۹۴۷ء کے بعد ہی ریاست جموں وکشمیر میں ناول نگاری کی پیش رفت ہوئی۔ ۱۴ نئی نسل سے تعلق رکھنے والے فنکاروں نے نایاب اور بہترین ناول تحریر کیے۔ بزرگوں میں نرسنگھ داس نرگس کا نام قابلِ ذکر ہے۔ نرسنگھ داس نرگس ۱۹۴۷ء سے پہلے کی پیداوار ہیں۔ ۱۵ نرسنگھ داس نرگس نے افسانہ نگاری کے علاوہ ناول نگاری میں بھی قدم رکھا۔ اور انھوں نے بہترین ناول تحریر کیے۔ ریاست جموں وکشمیر میں اردو ادب کی تاریخ میں نرسنگھ داس نرگس کا نام اردو صحافت، ادیب، افسانہ نگار اور ناول نگار کی حیثیت سے سرفہرست ہے۔ انھوں نے پربتی اور نرملا کے عنوان سے دو ناول تصنیف کیے۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں سماج میں پیدا ہونے والے سیاسی، سماجی، معاشی اور اقتصادی مسائل کی بھرپور عکاسی کی ہیں۔ اس کے علاوہ اصلاحی مقاصد کو بھی مدِ نظر رکھا۔ اس بات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر پریمی لکھتے ہیں:

> انھوں نے (نرسنگھ داس نرگس) نے اپنے ناولوں میں سماجی مسائل کو اپنا موضوع بنایا اور سماج کی بدعتوں کی تصویر کشی کی۔ نرگس خاص طور پر دیہاتوں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔۔۔ اس لیے ان کے ناولوں میں دیہاتوں کے مٹی کی مہک ہے۔۔۔ نرگس اپنے ناولوں میں اپنے اصلاحی مقصد کو پیش کرتے ہیں۔ ۱۶

نرسنگھ داس نرگس کے ہم عصروں میں کشمیری لال ذاکر اور ٹھاکر پونچھی کا نام کا نام نہایت قابلِ قدر ہے۔ انھوں نے یکے بعد دیگرے ناول تصنیف کیے۔ اور انھوں نے ناول نگاری کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

کشمیری لال ذاکر ناول نگاری کی تاریخ میں ایک اہم نام ہے۔ انھوں نے ناول نگاری کی شروعات ایک ناولٹ سے سندور کی راکھ کے نام سے کی ہے۔ اور بعد میں انھوں نے بہت اچھے اور اعلیٰ پایہ کے ناول تخلیق کر کے ادبی دنیا میں اپنا ایک الگ مقام بنا لیا۔ ان کے اہم ناولوں میں انگوٹھے کا نشان، صدا سہاگن رہے، کراماں

والی،لمحوں میں بکھری زندگی،جاتی ہوئی رت،خون پھر خون ہے،ڈوبتے سورج کی کتھا،چھٹی کا دودھ،چار میل لمبی سڑک اورمیں اسے پہچانتی ہوں وغیرہ قابل قدر ناول ہیں۔ان کے ناول حقیقت نگاری پر مبنی ہیں۔انھوں نے اپنے ناولوں میں سماج اور معاشرے میں پیدا ہونے والے تمام مسائل کو پیش ہے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر برج پریمی یوں لکھتے ہیں:

> ان کے ناولوں میں انسانی زندگی کی بیکل باطن کی بے چینی کا شدید احساس ہوتا ہے اور ہمارے سماج اور معاشرے کی وہ بدصورتی بھی جس نے غم اور ملال کا زہر گھول دیا ہے۔۔۔ذاکر کے ناولوں میں عجیب وغریب موضوعات کا احساس ہوتا ہے۔۱۷

ٹھاکر پونچھی بھی ریاست جموں و کشمیر میں اعلیٰ پایہ کے ناول نگاروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔اگرچہ وہ فکشن نگاری کے میدان میں پہلے بہت بڑے افسانہ نگار تسلیم کیے جاتے تھے۔لیکن ٹھاکر کو اصلی شہرت ان کے ناولوں کی وجہ سے ہی ملی۔ان کے ناولوں میں ایک طرف ترقی پسندون کے رجحانات نظر آتے ہیں۔تو دوسری طرف ڈوگرہ زندگی کی حقیقت آمیز تصویریں بھی ملتی ہیں۔اس کے علاوہ نئی اور پرانی قدروں کے درمیان کشمکش اور تضاد،سیاسی، سماجی اور مذہبی استحصال کرنے والی قوتوں کے خلاف احتجاج،شہری اور دیہی زندگی کے مسائل کو موضوع بنایا۔

ٹھاکر پونچھی نے بہت سے ناول لکھے۔وہ صحیح معنوں میں ناول کے فنکار ہیں۔انھیں ناول کی فن پر بھی عبور ہے اور زبان و بیان پر بھی دسترس حاصل ہے۔وہ انسانی نفسیات کی باریکیوں کو بڑی چابکدستی سے پیش کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔وہ بڑی خوبصورتی سے دیہاتی و شہری زندگی کے موقع پیش کرتے ہیں۔اہم سماجی ونفسیاتی مسائل بھی ان کے ناولوں سے جھلک رہے ہیں۔ٹھاکر پونچھی کے ناولوں میں رات کے گھو نگھٹ،وادیاں اور ویرانے ، شمع ہر رنگ میں جلتی ہے،سحر ہونے تک،چاندنی کے سائے،پیاسے بادل ،یادوں کے کھنڈر،اور اب میں وہاں نہیں رہتا،اہم اور کامیاب ناول اردو ادب کو دیئے ہیں۔ان کے ناولوں کی فنی خصوصیات کو تفصیلاً بیان کرنے کے بجائے مناسب یوں کہ برج پریمی کا یہ قول نقل کیا جائے:

> ٹھاکر پونچھی کے ناولوں میں ایک طرف ترقی پسندی کے رجحانات کار فرما ہیں اور دوسری طرف ڈوگرہ طرز زندگی کی حقیقت آمیز تصویریں بھی ملتی ہیں۔۱۸

۱۹۶۰ء کے بعد ریاست جموں و کشمیر میں افسانہ نگاروں کے ساتھ ساتھ ناول نگاروں کی بھی ایک نئی پود منظر عام پر آئی ہیں۔[19] ان میں تیج بہادر بھان، غلام رسول سنتوش، علی محمد لون، حامدی کاشمیری، نور شاہ، شبنم قیوم، عمر مجید، وحشی سعید، بھوشن لال بھوشن، رشید پروین، فاروق ریزنو، آنند لہر، ترنم ریاض اور جان محمد آزاد وغیرہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ لیکن ان میں سے بیشتر لوگ ایک دو ناول لکھ کر اس فن سے دست بردار ہو گیے۔ یہ لوگ اپنے اندر بے پناہ صلاحیت رکھتے تھے۔ لیکن یہ بد قسمتی کی بات ہے کہ یہ لوگ اردو ناول نگاری کا وہ حق ادا نہیں کر سکے جس کا اردو ناول اصلی معنوں میں مستحق تھا۔

تیج بہادر بھان بھی ناول نگاروں کی صف میں ایک اہم مقام رکھتے ہے۔ انھوں نے نہ صرف ایک ناول سیلاب اور قطرے کے عنوان سے لکھا۔ بل کہ یہ ناول لکھ کر انھوں نے ایک اچھا ناول نگار ہونے کا ثبوت دیا۔ جس میں انھوں نے نہایت حقیقت پسندانہ انداز اختیار کر لیا۔ اس ناول کا موضوع کشمیر کی درد سے لبریز معاشرتی زندگی ہے۔ جو افلاس اور استحصال کی شکار ہے۔ تیج بہادر بھان نے اس سے سیلاب کے پس منظر میں ابھارا ہے۔ سیلاب اور قطرے کے متعلق عبدالقادر سروری کا کہنا ہے:

> یہ ناول ایک اچھا حقیقت پسندانہ بیانیہ اور کسی حد تک ایک نفسیاتی مطالعہ اور کشمیر کی فضا کے پس منظر میں نچلے طبقے کی زندگی کے واقعات کے بیٹھ بیٹھا معنی خیز نقشہ بن گیا ہے۔[20]

اس سے یہ بات صاف طور ہر ظاہر ہو رہی ہے کہ تیج بہادر بھان کا یہ ناول افلاس اور استحصال کی ماری ہوئی انسانی زندگی ہے جس سے سیلاب کے پس منظر میں ابھارا گیا ہے تیج بہادر نے یہ ناول جھیل ولر کے پس منظر میں ایک خوبصورت ناول تحریر کیا ہے جس میں غریب سنگھاڑے جمع کرنے والے خاندان کی زندگی کی روداد ہے۔ اور انھوں نے سرکاری اہلکار ہوتے ہوئے بڑی بے رحمی اور بے باکی کے ساتھ نوکر شاہی اور سرکاری استحصال نظام کی دھجیاں اڑادی ہیں۔ جو ایک بڑی بات ہے اور انھیں بڑا حقیقت پسند بناتی ہے۔

غلام رسول سنتوش جو کہ مصور ہونے کے ساتھ کشمیری اور اردو میں بھی شعر کہتے تھے۔ انھوں اس سمندر پیاسا ہے لکھ کر ناول نگاری میں اضافہ کیا۔ تکنیکی اعتبار سے یہ ایک کامیاب ناول ہے۔ سنتوش نے اس ناول میں بیانہ انداز پیش کیا۔ اور انھوں نے انسان کے اندرون میں اتر کر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو ابھارا۔ سمندر پیاسا ہے مندر

اور دریا کی کہانی ہے جو بہکی، بھٹکی چھوٹی سی ندیوں کو اپنے سینے سے لگا کر ان کی منزل کی جانب بڑھنے کی جستجو میں ہوتا ہے اس ناول کے بارے میں برج پریمی یوں بیان کرتے ہیں:

> یہ ناول بیانیہ انداز میں ہوتے ہوئے بھی کہیں کہیں چشمہ شعور کی تکنیک کا احساس دلاتا ہے۔ اس ناول کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ سنتوش بھی انسان کے دروں میں اتر کر اس کے اندر چھپتے ہوئے نفسیاتی پیچ تلاش کر کے اس کے اندر کی حیوان کی درندگی کو بے نقاب کرتے ہیں۔ ۲۱

سنتوش انسانی نفسیات اور سیاسی و سماجی باریکیوں اور لغزیشوں پر گہری نظر رکھتا ہے۔ ان کے یہاں ایک اچھے اور منجھے ہوئے ناول نگار کے امکانات نظر آتے ہیں۔ لیکن انھوں نے اس ناول لے بعد اور کوئی ناول نہیں لکھا۔

اسی طرح علی محمد لون جو کہ بحیثیت ڈرامہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے افسانہ نگار بھی ہے۔ اور فکشن نگاری کے میدان میں پہلے ہی شہرت حاصل کر چکے تھے۔ ڈرامہ نگاری اور افسانہ نگاری کے علاوہ وہ ناول نگاری کی طرف بھی متوجہ ہوئے تھے۔ اور انھوں نے شاید ہے تیری آرزو کے نام سے ایک ناول تصنیف کیا۔ اس ناول کا کینواس دہلی شہر ہے۔ اور قیام دہلی کے زمانے کے مشاہدات اور تجربات کی پیداوار ہے۔ لون نے اس ناول میں دہلی کے ایک خاص طبقے کے معاشرے کو بہت ہی قریب سے دیکھنے اور بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ شاید ہے تیری آرزو ناول کے بارے میں لیاقت علی یوں رائے رکھتے ہیں:

> انھوں نے شاید ہے تیری آرزو ایک ہی ناول لکھا۔ جس میں دہلی کی معاشرت کو دور بینی کے ساتھ پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ ۲۲

اگرچہ لون صاحب ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہے لیکن ان کے ناول میں کہیں پر بھی کسی طرح کے جذباتی میلان کا احساس نہیں ہوتا ہے۔

اکیسویں صدی تک آتے آتے ریاست جموں و کشمیر میں انہی ناول نگاروں کو شامل کیا جاتا ہے۔ جو پچھلے ایک دو دہائیوں سے اردو ناول نگاری کو فروغ بخشتے آ رہے ہیں۔ اور وہ لوگ اس صنف کی آبیاری آج بھی اپنے خونِ جگر سے کر رہے ہیں۔ ان میں نور شاہ، حامدی کاشمیری، ترنم ریاض، آنند لہر، جان محمد آزاد، وحشی سید ساحل، خواجہ فاروق، مالک رام آنند، کرن کاشمیری، صوفی محی الدین، ڈی کے کنول، شبنم قیوم، وجے سوری، دیپک کنول، نعیمہ مہجور، عمر مجید وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ریاست جموں و کشمیر کے فکشن نگاری میں ایک اور اہم نام حامدی کاشمیری کا بھی ہے۔انھوں نے جو ناول لکھے ان کے نام یہ ہیں۔بہاروں میں شعلے،بلندیوں کے خواب،پگھلے خواب، اجنبی راستے،حامدی کاشمیری کے قابل قدر ناول ہیں۔اس کے علاوہ پر چھائیوں کا شہر جیسا قدرِ ناولٹ بھی تحریر کیا۔حامدی کاشمیری اگر چہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہونے کے ساتھ ساتھ رومانیت سے بھی بہت متاثر تھے۔لیکن اس کے بر عکس ان کے تصنیف کردہ ناولوں میں آس پاس کی زندگی کی ہی تصویر دیکھنے کو ملتی ہے۔انھوں نے سماجی اقدار کی پامالی اور رشتوں کی شکست وریخت کو اپنے تصانیف کے لئے پسندیدہ موضوعات چن لیے۔ پرچھا ئیوں کا سایہ جیسا ناولٹ لکھ کر انھوں نے حقیقت نگاری کی طرف رخ کر کے سماج کے پیچیدہ مسائل کو زیر بحث لایا۔اور اس سے ان کے تخلیقی تجربے کی نئی جیت کا احساس ہوتا ہے۔ان کے ناول پگھلتے خواب کے متعلق نور شاہ کا کہنا ہے:

> ان کا دوسرا ناول پگھلتے خواب کے نام سے شائع ہوا۔انھوں نے اس ناول میں کشمیر کے متوسط طبقے کے مسائل کا اظہار فنکارانہ پختگی کے ساتھ کیا ہے۔۲۳

ریاست جموں و کشمیر سے تعلق رکھنے والے آنند لہر اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں ناول نگاروں کی صف میں ایک اہم نام ہے۔آنند لہر نے اپنے تخلیقی کا سفر آغاز اگر چہ افسانہ نگاری سے کیا ہے اور اب تک ان کے دس کے قریب افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔لیکن افسانہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ناول نگاری کے میدان میں بھی اچھی خاصی شہرت حاصل کی۔آنند لہر اگر چہ جدیدیت سے متاثر تھے۔لیکن انھوں نے قدیم وجدید امتزاج سے ہی اپنے ناولوں کا تانا بانا تیار کیا۔انھونے سماج میں پیدا ہونے والے حساس اور پیچیدہ مسائل کو اپنا موضوع بنایا ہے۔مزید براں آج کے انسانی زندگی کے جدید تر رویے کو بھی زیر بحث لایا۔آنند لہر کے ناولوں میں سرحدوں کے بیچ (۲۰۰۲ء)،اگلی عید سے پہلے، مجھ سے کہا ہوتا اور یہی سچ ہے ان کے قابل قدر ناول ہیں۔۲۴

سرحدوں کے بیچ اس ناول میں آنند لہر نے ہندوستان کی تقسیم اور سرحدوں کے دونوں طرف رہنے والے لوگوں کی دقتوں کا خلاصہ پیش کیا ہے۔آنند لہر کے اس ناول کی اردو کی ادبی دنیا میں کافی پزیرائی ہوئی۔

اگلی عید سے پہلے یہ ناول ایک سو آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔اس ناول میں انھوں نے کشمیر کی بدلتی ہوئی صورتِ حال کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا۔اس ناول کے بارے میں لیاقت علی یوں لکھتے ہیں:

آنند لہر نے اس ناول میں کشمیریوں کی مذہبی رواداری اور اُن کی مہمان نوازی کا احاطہ پیش کیا ہے۔ ۲۵

آنند لہر نے مجھ سے کہا ہے میں جنگ کے اسباب، جنگ کی تباہ کاریاں اور جنگ کے بعد ہولناک مناظر کی عکاسی کی ہے ناول مجھ سے کہا ہے میں پرندوں اور جانوروں کی زبانی تباہی و بربادی کے المیے کو پیش کیا گیا ہے۔ آنند لہر کی کہانیاں زندگی سے اتنی قریب ہوتی ہیں کہ ان کا شمار دورِ حاضر کے اہم فکشن نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

ریاست جموں و کشمیر میں فکشن نگاری کی تاریخ میں نور شاہ ایک اہم مقام رکھتے ہے۔ اگرچہ افسانہ نگاری ان کا خاص میدان رہا۔ اور اس میں بھی انھوں نے کافی شہرت حاصل کی۔ لیکن ناول نگاری میں بھی وہ ایک اہم منفرد حیثیت رکھتے ہے۔ افسانوں کی طرح اپنے ناولوں میں بھی بیانیہ کے مختلف تجربے کیے ہیں۔ کرداروں کی خارجی اور باطنی دنیاؤں کو کبھی بلاواسطہ تو کبھی بالواسطہ پر بڑی باریک بینی سے پیش کیا ہے۔ انھوں نے نیلی جھیل کالے سائے اور پائل کی زنجیر کے نام سے دو ناول لکھے ۔ اس کے علاوہ ان کے تین ناولٹوں کا مجموعہ نور شاہ کے تین ناولٹ کے نام سے شائع ہوا، اگرچہ وہ رومانیت سے متاثر ہے لیکن اس کے برعکس انھوں نے حقیقت نگاری کی طرف رُخ کر کے اپنے ناولوں میں حقیقی حالات وواقعات کو بیان کیا ہے۔ اس طرح ان کے ناولوں میں وادی کشمیر کے منظر کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ انھوں نے آسان اور فہم اصطلاحات کا استعمال کر کے کشمیر کی ثقافت کو اپنے کرداروں کے ذریعے جیتے جاگتے انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کے ناولوں کی فنی خصوصیات کو تفصیلاً بیان کرنے کے بجائے مناسب یوں ہے کہ لیاقت علی کا یہ قول نقل کیا جائے:

> انھوں نے اپنے ناولوں میں افسانوں اور ناولوں میں کشمیر کے حسن کو برف پوش پہاڑوں، سر سبز وادیوں باغوں اور دریاؤں کے حوالے سے سمیٹا ہی ہے لیکن کشمیر کی ثقافت اور اہل کشمیر کی سادہ لوحی اور حلیمی کو اپنے کرداروں کے ذریعے جیتے جاگتے روپ میں پیش کیا ہے۔ ۲۶

اردو فکشن کی روایت کو ریاست جموں و کشمیر میں مستحکم کرنے میں شبنم قیوم کا نام بھی سر فہرست ہے۔ شبنم قیوم کی ذات میں کئی شخصیتیں پوشیدہ ہیں۔ وہ افسانہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ناول نگار بھی ہیں۔ شبنم قیوم ایک حقیقت پسند قلم کار ہے اور اپنی تحریروں میں حقیقت پسندی کا پورا خیال رکھا ہے۔ شبنم قیوم اپنے ارد گرد کے ماحول سے مواد لے کر مشاہدات سے اپنی کہانیاں ضبط تحریر میں لاتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں جہاں رومان پسندی کی جھلک ملتی ہے وہیں سماج میں

رونما ہونے والے واقعات جن سے سماج میں بسنے والے گہرے رنج اور تکالیف کو محسوس کرتے ہیں۔ شبنم قیوم نے ان ہی مسائل کو اپنی تحریروں میں بڑی فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کے تخلیق کردہ ناول زندگی اور موت، جس دیش میں جہلم بہتا ہے، پچھتاوا، یہ کس کا لہو ہے کون مرا وغیرہ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۹۶۹ء میں ان کا ایک اور ناولٹ چراغ کا اندھیرا شائع ہوا۔ ۲۷ اس ناول میں غنڈہ گردی کے اس دور کو موضوع بنایا گیا ہے جب رہبر رہزن بن گیے تھے اس میں انھوں نے اس قسم کے سیاہ کار حاکموں اور سیاسی ٹھکیداروں پر ایسی ضربیں لگائی ہیں جن سے قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پرانے ڈگر نئے قدم ان کا ایک اور ناولٹ ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا۔ ۲۸ اس میں انھوں نے قومی تہذیب اور اس کے وقار کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے اس حوالے سے مشرف فیاض ٹھوکر لکھتے ہیں:

> اس میں شبنم قیوم نے قومی تہذیب اور اس کے وقار کو گرتے دیکھ کر ہمارے سامنے ایک ایسی عبرت انگیز تصویر پیش کی ہے جس میں صدیوں کا ملال چھپا ہوا ہے۔۔۔ اگرچہ یہاں ان کا موضوع جنس ہے تاہم وہ صرف جنسی بصیرت کی عکاسی پر ہی اکتفا نہیں کرتے ہیں۔ بل کہ فن کار اپنے ہر کردار کو نفسیاتی کی کسوٹی پر جانچتا ہے۔ ۲۹

ان کے تمام ناول حقیقت پر مبنی ہیں۔ شبنم قیوم سیاسی حکمرانوں کے چہروں پر پڑے پردوں کو بڑی بے باکی کے ساتھ چاک کرتے ہیں۔ یہ کس کا لہو ہے کون مرا ان کا ایک سیاسی و تاریخی ناول ہے جس میں انھوں نے کشمیر کی سیاسی تاریخ کو فنی صلاحیتوں اور فنی بصریتوں کا استعمال کرتے ہوئے پیش کیا ہے۔

جان محمد آزاد ناول نگاری کی صف میں ایک اہم نام ہے۔ ان کا پہلا ناول وادیاں بلا رہی ہیں (۱۹۸۱ء) کے نام سے آیا۔ یہ جذبات میں ڈوبی ہوئی کہانی ہے۔ ان کا دوسرا ناول کشمیر جاگ اٹھا (۱۹۸۴ء) میں منظر عام پر آیا۔ ۳۰ ظلمات کے مسافر ان کا ایک اور ناول ہے سبھی ناول زندگی کی ناہمواریوں، روز مرہ کے مسائل، سماجی نابرابری، تاریخی منظر نامے اور سیاسی حالات و واقعات کی بہترین عکاسی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر حامدی کاشمیری ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> جان محمد آزاد بیدار ذہن کے مالک ہیں۔ وہ گہرے شعور کے ساتھ اپنے گرد و پیش کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ بنیادی طور پر وہ ایک شاعر کے نازک احساس، خواب آفرینی اور نازک مشاہدے سے آراستہ ہیں۔

لیکن ان کا ذہن معاشرتی، تاریخی اور سیاسی حالات کے تجزیے پر اصرار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا ناول سماجی، رومانی اور سیاسی فضا کا مشترکہ خاکہ بن کر ابھرتا ہے۔ ۳۱

عصر حاضر کے لکھنے والوں میں وحشی سعید ایک اہم اور معتبر مقام پر فائز نظر آتے ہیں۔ انھوں نے پتھر آئینہ کے عنوان سے ناول لکھ کر اپنے فن کے نادر نمونے پیش کیے۔ اس ناول کی وجہ سے ہی وہ اردو دنیا میں بحیثیت ناول نگار اور ایک خاص شناخت قائم کر چکے، ان کے ناول کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی زبان صاف ستھری اور ان کا انداز بیان بہت اچھا ہے۔ ان کے ناول پڑھتے وقت قاری کی دلچسپی میں ذرا بھی جھول نہیں آتا، ایک ناول کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ پڑھتے وقت قاری کو باندھے رکھے اور وحشی سعید اس خصوصیت میں بڑی حد تک کامیاب نظر آئے، انھوں نے اپنے ناول میں محبت کی انوکھی کہانی کو منفرد انداز میں بیان کیا، جو ان کے فن کا گہرا ثبوت ہے۔

دور حاضر کے لکھنے والوں میں ایک اور اہم نام دیپک کنول کا ہے۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں کشمیر کی منظر کشی بڑی چابکدستی سے پیش کی ہے۔ انھوں نے ناولوں میں کشمیر کے پہاڑوں، جھیلوں اور آبشاروں کی خوب تصویر کشی کی ہیں۔ لیکن ان کے ناولوں میں کشمیر کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں ہند و پاک کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ دیپک کنول کے پانچ ناول ہیں۔ کشمش (۱۹۷۱ء)، تماشہ (۱۹۸۰ء)، ترنگ (۱۹۸۴ء)، نیا سفر (۱۹۸۵ء) اور درانہ (۱۹۸۸ء) کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ ۳۲

ان کے علاوہ اور بھی ناول نگار فن ناول نگاری کو فروغ دینے میں کامیاب نظر آرہے ہیں۔ جن مین عمر مجید کے دو ناول یہ بستی یہ لوگ (۱۹۸۰ء)، درد کا دریا (۱۹۷۶ء) ۳۳، بھوشن کا ناول صرف پانچ ہزار اور رشید پروین کے دو ناول دل اور دریا، پیاسی پایل منظر عام پر آئے ہیں۔

آج کے موجودہ دور میں جہاں مرد حضرات نے اردو ادب کی اس مقبولِ عام صنف (ناول) میں اپنی انفرادی تخلیقی صلاحیتوں اور گہرے وزن کی بدولت اپنا ایک مخصوص مقام قائم کیا ہے وہیں خواتین قلم کار بھی ناول کو معیار و وقار عطا کرنے میں پیش پیش ہیں۔ ترنم ریاض، شائستہ فاخری، قمر جمالی۔ ثروت خان، خوشنودہ نیلوفر، صادقہ نواب سحر، نجمہ سہیل، نگہت حسن اور خالدہ حسین وغیرہ وہ نام ہیں جنھوں نے اپنے وسیع مطالعے اور مشاہدے کا مظاہرہ کرتے ہوئے زندگی کی رنگارنگیوں کو اپنے ناولوں میں کامیابی کے ساتھ پیش کیے ہے۔ ان کے ناولوں میں تجربات کی گوناگوئی ملتی ہے وہ انسانی رشتوں کی پاکیزگی، تنوع، حرارت اور نزاکت کا احساس دلاتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ موجودہ دور میں سائنس اور

ٹیکنالوجی کے غلبے کے زیرِاثر انسانی اقدار کی بے حرمتی، مردوں کی انسانیت کش بالا دستی اور ناقدری، ممتا کی بے حرمتی، خونی رشتوں کی تضحیک جیسے مسائل ان کے ناولوں سے مستخرج ہوتے ہیں۔

دورِ حاضر کی خواتین فکشن نگاروں میں ترنم ریاض کا نام بڑا معروف و معتبر ہے۔ انھوں نے افسانوں کے علاوہ ناولٹ بھی لکھے جن میں مورتی(۲۰۰۴ء)اور برف آشنا پرندے (۲۰۰۹ء)نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔۳۴انھوں نے ناولٹ مورتی میں کشمیر سے دہلی اور دہلی سے سعودی عربیہ تک کی مکمل تصویر کشی کی ہے۔ اور برف آشنا پرندے میں شروع کے صفحات سے لے کر آخری صفحات تک کشمیر کی تہذیب وحالات کی عکاسی مصنفہ نے بڑی فن کاری سے کی ہے۔ کشمیر کی تہذیب، تمدن، ثقافت، سیاست اور معاشرت اس ناول کے اکثر صفحات جلوہ گر ہیں ۔مصنفہ نے اپنے ناول کے ذریعے کشمیر کی طویل تاریخ قلم بند کی ہے۔ ۷۴۵ صفحات پر مشتمل یہ ناول کشمیر کی تاریخی بن گیا ہے۔ لیاقت علی اس ناول پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ترنم ریاض نے اس ناول میں کشمیر کی پانچ ہزار سالہ تاریخ کو سمیٹ کر کشمیر کی سماجی، معاشرتی اور ثقافتی زندگی کو پیش کیا ہے۔ ناول کشمیر کی سماجی تاریخ پر مبنی ہے۔ مصنفہ نے کشمیر کی صدیوں کی تاریخ کئی صفحات پر بیان کی ہے جس میں کشمیر کی شناخت، کشمیری افراد کے مصائب، کشمیر کی خوبصورتی، کشمیر کے پکوان وغیرہ کو پیش کیا گیا ہے۔۳۵

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ برف آشنا پرندے ترنم ریاض کی ایک ایسی تخلیق ہے جس میں انھوں نے کشمیر کے جغرافیائی حالات، ثقافت تہذیب اور تاریخی ورثے کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ کشمیر اور کشمیریت کے مختلف پہلوؤں کو اپنے انداز سے پیش کیا ہے۔۔ اس ناول میں مصنفہ نے شروع سے آخر تک کشمیر کی تہذیب اور وہاں کی حالات کی عکاسی بڑی فن کاری سے کی ہے۔ ترنم ریاض وادی کشمیر کی صورت حال کا دانشورانہ تجزیہ کرتے ہوئے کشمیر کے ماضی اور حال کی عکاسی جرات مندانہ اور حقیقت پسدانہ رویہ سے کرتی ہے۔ اس ناول میں مصنفہ کلی طور پر کشمیر کی تاریخ دوہرا رہی ہے۔

نعیمہ مہجور عصر حاضر کے لکھنے والوں میں ایک اور اہم نام ہے۔ اگرچہ افسانہ نگار ہونے کے وجہ سے وہ پوری دنیا میں مشہور ہوئی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ناول نگاری کی تاریخ میں بھی ان کا نام سنہرے حروف میں لکھا جاسکتا ہے۔ انھوں نے دہشت زادی کے نام سے ایک اور ناول لکھ کر اردو دنیا میں ایک اور اضافہ کر دیا۔ یہ ناول انھوں نے کشمیر

کے پس منظر میں لکھا۔دہشت ذادی بہت ہی دلچسپ ناول ہے اور اس میں آج کے کشمیر کی تصویر کی نقاب کشائی کی گئی ہے،انھوں نے اپنے ناول میں عورتوں کے حقوق کا بھی ذکر کیا ہے، جن کی وہ طلب گار ہے،اس کے علاوہ تلخ اور بے رحم حقیقتوں کو انھوں نے سچائی کی روشنی میں سامنے لایا۔اس ناول کے سلسلے میں نور شاہ یوں تبصرہ کرتے ہیں:

> اس ناول کو کشمیر کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا ایک دلچسٹ ناول ہے اور اس میں کشمیر میں ہو رہے ان گنت حالات وواقعات کو سچ اور سچائی کی روشنی میں پیش کرنے کی کاشش کی گئی ہے۔[۳۶]

ناول نگاری سے تعلق رکھنے والی ایک اور نام صادقہ نواب سحر کا ہے ۔جنھوں نے کہانی کوئی سناؤ متاشاااورجس دن سے ناولوں میں مصنفہ صادقہ نواب سحر نے اپنے ناول میں عورت کی مظلومیت کو ایک عورت کی زبانی بیان کر کے قائین کے دل ودماغ پر سحر کی سی کیفیت طاری کی ہے۔اس ناول میں مصنفہ نے عورت کے استحصال اور اس کے درد و کرب کی بھرپور عکاسی کی ہے۔اسی موضوع سے متعلق شائستہ فاخری نے اپنا ناول نادیدہ بہارو ں کے نشاں تخلیق کیا ہے۔اس میں مصنفہ نے مردوں کی بالادستی،خود غرضی اور انانیت کے نتیجے میں عورتوں کی بے بسی اور مظلومیت کی داستان نہایت باریک بینی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ثروت النساء کا ناول اندھیر اپن ناول نگاری کی صنف میں ایک اہم اضافہ ہے۔اس ناول کا موضوع بیوہ عورت کی زندگی ہے۔اس ناول کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ مصنفہ نے موضوع کی نسبت سے ناول میں راجستھانی سوسائٹی کا خوبصورت مرقع پیش کیا ہے اس کے علاوہ نجمہ سہیل کا ناول اندھیر ا ہونے سے پہلے نگہت حسن کا جاگنگ پارک خالدہ حسین کا کاغذی گھاٹ صغرا مہدی کا دھند،ساجدہ زیدی کا مٹی کے حرم وغیرہ جیسے اہم ناول اردو ادب کو موجودہ صدی کی ہی دین ہیں۔

الغرض اکیسویں صدی میں ریاست جموں کے ناول نگاروں کو اس بات کا بخوبی احساس ہو گیا ہے کہ یہ صنف محض قصہ گوئی کا دوسرا نام نہیں، بلکہ اس کے ذریعے انسانی زندگی کی خوشیوں اور تلخیوں، غموں اور شادمانیوں کی تصویر پیش کر سکتے ہیں۔ غرض آج کل کے ناول نگار نہ مبلغ ہے نہ سیاست دان اور نہ ہی خطیب بلکہ وہ خود شناس بن گیے ہیں۔اور اس سے اپنی بے بسی، بے کسی اور لاچارگی کی وجہ سے بہت بے چین اور مضطرب ہیں۔ وہ محض خارجی طور پر پریشان اور بے قرار نہیں ہے بلکہ داخلی طور پر بھی وہ اکیلا پن محسوس کرتا ہے۔ریاست جموں و کشمیر سے تعلق رکھنے جدید دور کے ناول نگاروں کے بیشتر ناولوں میں بے چینی اور بے کلی کا احساس ہوتا ہے۔ عصرِ حاضر کے ناول نگاروں نے عصری سیاست، عصری سماجی مسائل کے علاوہ ریاست جموں و کشمیر کے درد و کرب کو بھی ناول کا خاص موضوع بنالیا، گو کہ آج کے ناول نگار محض روایتی

انداز کے مطابق ناول تحریر نہیں کرتے ہیں بلکہ سماج میں پیدا ہونے والے سیاسی، سماجی، معاشی اور اقتصادی کا تذکرہ بھی اپنے ناولوں میں کرتے ہیں۔

موجودہ دور میں صنف ناول کی بے لوث خدمات مدِ نظر رکھ کرے یہ بات وثوق سے دہرائی جاسکتی ہے کہ اس صنفِ ادب کا حال کی طرح اس کا مستقبل بھی روشن وتابناک ظاہر ہوگا۔ مرد قلم کاروں کے ساتھ ساتھ خواتین تخلیق کار بھی اس صنف کو موضوعی اور ہئیتی اعتبار سے بلندی اور رنگارنگی مہیا کرنے میں اپنا نمایاں رول کامیابی سے ادا کر رہے ہیں۔ بدلتے زمانے میں جو نئے نئے مسائل انسان کو دریش رہتے ہیں، خواہ وہ سیاسی ہو یا سماجی ہو یا اقتصادی، تہذیبی ہو یا نفسیاتی، اردو ناول میں بڑی چابکدستی سے منظر عام پر لائے جاتے ہیں۔

مجموعی طور پر صنف ناول کے بارے میں اگر کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ اگرچہ ابتدائی دور میں کمیت کے اعتبار سے ریاست جموں وکشمیر میں اردو ناولوں کی تعداد قلیل تھی۔ لیکن ۱۹۶۰ء کے بعد ریاست جموں وکشمیر ناول نگاری کے میدان میں جو کارنامے انجام دیے گیے ہیں اور جو دیے جارہے ہیں۔[۳۷] وہ کیفیت کے اعتبار سے مایوس کن کرنے والے نہیں ہیں۔

حوالہ جات

۱۔صالہ زرین،اردو ناول کا سماجی او رسیاسی مطالعہ(ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک)،(الہ آباد: سرسوتی پریس،۲۰۰۰ء)،ص ۸۔

۲۔ایضاً،ص ۹۔

۳۔لیاقت علی خان،جموں و کشمیر میں اردو ادب،(دہلی: آفیسٹ پرنٹرس،۲۰۱۷ء)،ص ۳۸۔

۴۔منصور احمد منصور ،"جموں و کشمیر میں اردو ادب کے پچاس سال"مشمولہ شیرازہ (ناولٹ نمبر)،۵۴(جنوری۔مارچ ۲۰۱۶ء)،ص ۱۷۸۔

۵۔برج پریمی ،جموں و کشمیر میں اردو ادب کی نشوو نما ،(جموں : رچنا پبلی کیشنز،۲۰۱۳ء)،ص ۴۰۔

۶۔ایضاً،ص ۴۰۔

۷۔ایضاً،ص ۴۱۔

۸۔ایضاً،ص ۴۱۔

۹۔ایضاً،ص ۴۱۔

۱۰۔ایضاً،ص ۴۴۔

۱۱۔ایضاً،ص ۴۳۔

۱۲۔ایضاً،ص ۴۶۔

۱۳۔خواجہ عباس،بحوالہ لیاقت علی،جموں و کشمیر میں اردو ادب،ص ۳۸۔

۱۴۔لیاقت علی،جموں وکشمیر میں اردو ادب،ص ۳۸۔

۱۵۔برج پریمی،جموں و کشمیر میں اردو ادب کی نشو ونما،ص۴۴۔

۱۶۔ایضاً،ص۴۴۔

۱۷۔برج پریمی،جموں و کشمیر میں اردو ادب کی نشو ونما،ص۴۰۔

۱۸۔ایضاً،ص۴۶۔

۱۹۔ایضاً،ص۴۷۔

۲۰۔عبدالقادر سروری ،کشمیر میں اردو،(سرینگر:جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز، ۱۹۸۶ء)،ص۴۴۵۔

۲۱۔برج پریمی،جموں و کشمیر میں اردو ادب کی نشو ونما،ص۴۸۔

۲۲۔لیاقت علی،جموں و کشمیر میں اردو ادب،ص۴۰۔

۲۳۔نور شاہ،جموں کشمیر کے اردو افسانہ نگار (سرینگر:میزان پبلشرز،۲۰۱۱ء)،ص۶۳۔

۲۴۔لیاقت علی،جموں وکشمیر میں اردو ادب،ص۴۵۔

۲۵۔ایضاً،ص۴۵۔

۲۶۔ایضاً،ص۴۱۔

۲۷۔مشرف فیاض ٹھوکر،شبنم قیوم بحیثیت افسانہ نگار(مقالہ برائے ایم۔فل،حیدرآباد سینٹرل یونی ورسٹی، ۲۰۱۴ء)،۱۱ص۔

۲۸۔ایضاً،ص۱۱۔

۲۹۔ایضاً،ص۱۱۔

۳۰۔نور شاہ،جموں کشمیر کے اردو افسانہ نگار ،ص۱۰۷۔

۳۱۔حامدی کشمیری،ریاست جموں و کشمیر میں اردو ادب ،(سرینگر: گلشن پبلی کیشنز۔۱۹۹۱ء)،ص۹۰۔

۳۲۔نور شاہ،جموں کشمیر کے اردو افسانہ نگار ،ص۱۲۶۔

۳۳۔ سلیم سالک،جموں و کشمیر کےمنتخب اردو افسانے(جلد ساوّل)(سرینگر: میزان پبلشرز،۲۰۱۱ء)،

۳۴لیاقت علی،جموں و کشمیر میں اردو ادب،ص۴۳۔۴۴۔

۳۵۔نور شوہ،جموں کشمیر کےے اردو افسانہ نگار،ص۱۵۹۔

۳۶۔ایضاً،ص۱۶۶۔

۳۷۔برج پریمی،جموں و کشمیر میں اردو ادب کی نشو ونما ،ص۴۷۔

باب دوم:

شبنم قیوم کے ناول یہ کس کا لہو ہے کون مرا میں سیاسی و سماجی مسائل کی عکاسی

خطہ جموں و کشمیر اپنے سرسبز و شادابی اور فطرت کی سحر انگیزیوں سے دنیا بھر میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ یہ خطہ اقصائے تبتہا واقعی جنوبی ایشاء کا سب سے حسین و جمیل ہے اور قدرت کے حسن سے مالا مال ہے۔ اسی لیے اس سے جنتِ نظیر، ایرانِ صغیر، وادی گلپوش اور دیگر ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قدرت نے اس خطہ کے ارض کو معدنیات، ٹھنڈے میٹھے پانی، زرخیز زمین، قیمتی جڑی بوٹیاں جنگلات اور دوسری بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے، وادی گلپوش کو قدرت نے دنیا پر جنت کے مثل بنایا ہے، لیکن اس خطہ کی طرف جس نے بھی قدم بڑھایا بس اپنے فائدے کے لیے ہی بڑھایا، ان قدرتی وسائل کو حاصل کرنے کی ہر طرح سے کوشش کی گئی چاہیے وہ بولی کا استعمال کرکے یا پھر گولی کا استعمال کرکے، بلکہ ہر طرح سے خطہ کشمیر کو حاصل کرنے کی بھر کوشش کی۔ لیکن کسی کے دل میں یہ خیال ذرا بھی نہیں کہ کشمیر کی سادی لوعوام کا کیا ہوگا۔ جو لڑائی جھگڑے کا سن کر اپنے چھپ جاتے تھے۔ اور اگر کہیں کوئی لڑائی کی نوبت آ بھی جاتی تھی تو کبھی ہتھیار نہیں اٹھاتے تھے بلکہ اپنے بازوں کی آستینوں سے وار کرتے تھے۔ شبنم قیم "آزادی کی تلاش میں لکھتے ہیں:

> کشمیر کا مرد اور جوان اتنا دل و جگرا نہیں رکھتا جو مرغ یا پرندہ ذبحہ کر سکے،۔۔۔اور کشمیری جوان اس قدر انصاف پسند نرم دل اور حلیمی خصلت کا رہا کہ ان سے مرغ اور پرندہ بھی مارا نہیں جاتا۔[1]

کشمیر میں ہر وقت ہر دور ہر حکمران نے حالات کو ساز گار بنانے کے بجائے حالات کو بگاڑ کر اپنے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی کاشش کی ہے۔ ان ناساز گار حالات کی بناپر ریاست جموں و کشمیر میں کشمیریوں کو طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہونا پڑا رہا ہے۔ جس کے اثرات ان کے معیشت اور خاص کر تعلیم پر پڑ رہے ہیں۔ اور یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ وادی گلپوش کی ذرخیز زمین نے بڑے بڑے ادیبوں، فنکاروں، قلمکاروں دانشوروں اور تخلق کاروں کو پیدا کیا ہے۔ جنھوں نے اپنے اپنے میدان میں بہترین کارہا انجام دیئے۔ بالخصوص اگر ریاست جموں و کشمیر میں ادب شناس لوگوں پر نظر ڈالی جائے تو اردو ادب میں ان کی گراں قدر خدمت ہیں، جن کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ چاہیے وہ شاعری کا میدان ہو یا نثر کا، بلکہ دونوں میدانوں میں ہر فن مولا نظر آتے ہیں۔ لیکن کشمیر میں ادب شناس لوگوں کو وادی کے حالات کا چلینج سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ کیوں کہ کشمیر میں خاص کر اگر ادب کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں زیادہ تر وہاں کے حالات و واقعات کے اثرات نظر آتے ہیں۔ جب وادی کشمیر کے حالات پُرامن و پُرسکون تھے تو وہاں کے تخلیق کاروں کے تخلیقات میں بھی وادی کا حسن و جمال کی جنت نما فضاؤں کا ذکر ملتا تھا لیکن جب وادی کشمیر کے حالات بگڑ گیے تو امن و امان کی خراب صورت حال کا اثر ادب میں بھی نظر آنے لگا۔

چوں کہ ادب سماج اور اس میں بدلتے ہوئے سیاسی، سماجی، مذہبیاور معاشی تناظرات کو موضوع بناتا ہے۔ کسی بھی عہد میں جو حالات اور مسائل ہوں گے لا محالہ ادب کا حصہ بنے گے چاہیے ان کی نوعیت سیاسی ہو یو معاشرتی۔ ادیب جو جنگ لڑتا ہے اس کا اندازہ سیاسی زاوئے، بدلتی ہوئی سیاسی صورت حال اور سیاست کے سماج پر اثرات کو تخلیقی سطح پر پرکھتا اور پیش کرتا ہے۔ ہر عہد میں کچھ اساسی موضوعات ہوتے ہیں جو ادیب کامیابی کے ساتھ ان موضوعات کو اپنے فن پارے میں پار اتارنے مین کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر اس کی تخلیق لازوال حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ کوئی بھی فنکار اپنے زمانے کے مخصوص تاریخی حالات سے نہ ہی بچ کر رہ سکتا ہے اور نہ ہی ان کے اثرات کو پس پشت ڈال سکتا ہے کیوں کہ ان عوامل کے اثرات نفسیاتی حوالے سے لازماً اس کا پیچھا کرتے ہیں۔ ادیب کی زبان سے اجتماعی انسان بولتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ادب زندگی کا ترجمان ہوتا ہے۔ کیوں کہ ایک ادیب بھی اسی سماج کا حصہ ہوتا ہے۔ جس میں یہ سب کچھ ہوتا ہے وہ بھی اس درد کو سمجھتا ہے، اپنے جسم پر سہتا ہے اور اس طرح کے حالات سے دو چار ہوتا ہے۔ مختصراًادیب سماج کا حساس فرد ہوتا ہے۔ کشمیر میں ایسے ادیبوں اور فنکارون کی کمی نہیں ہے جنھوں نے یہ سب منظر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھے ہوں۔ ان سب مسائل سے دوچار نہ ہوئے ہوں۔ ان میں ایک ایسانام ہے جس نے وادی کشمیر میں ڈھائی جانے والے ظلم و ستم، بربریت، غریبی، ہجرت، عورتوں کی عصمت دری، مظلوموں کو گھروں سے بے گھر کرنا، نوجوانوں پر بے تحاشہ ظلم ڈھانا، ٹارچر کرنا اس طرح کے سینکڑوں مسائل کو اپنے قلم سے کاغذ پر اتارنے کا ہنر بہت خوب ہے جو کسی تعارف کے محتاج نہیں ہے۔

شبنم قیوم وادی گلپوش کا حساس تخلیق کار ہے جس نے جموں و کشمیر کے درد کو بڑی سلجھی ہوئی فکر سے سمجھا ہے۔ اور وادی گلپوش کے حالات کو ایک تاریخی انداز میں پیش کیا ہے۔ جس کی زندہ مثال ہمارے سامنے یہ کس کا لہو ہے کون مرا جس میں انھوں نے وادی کشمیر میں رونما ہونے والے سیاسی و تاریخی حالات و واقعات کی بہترین انداز میں عکاسی کی ہے۔ شبنم قیوم ادب کی دنیا میں ایسانام ہیں۔ جس کو یہ فن ورثے میں ملا ہو۔

شبنم قیوم ایک حقیقت پسند قلم کار ہے۔ اور اپنی تحریروں میں حقیقت پسندی کا پورا خیال رکھا ہے یعنی کہ انھوں نے اپنے ارد گرد کے ماحول سے مواد لے کر گہرے مشاہدات سے اپنی تحریروں کا تانا بانا بنتا ہے۔ شبنم قیوم ایک حقیقت پسند قلم کار ہی نہیں بل کہ بے باک، جرات مند اور نڈر مصنف بھی ہیں۔ ان کی تحریروں میں جہاں رومان پسند کی جھلک ملتی ہے تو وہیں سماج اور سماج میں رونما ہونے والے واقعات جن سے سماج میں بسنے والے گہرے رنج اور تکلیف کو محسوس کرتے

ہیں۔ شبنم قیوم نے ان مسائل کو اپنی تحریروں میں بڑے فنکارانہ انداز مین پیش کر کے قاری کو ان حالات اور مسائل سے آگاہ کیا ہے۔ان کی تحریروں میں درد اور تڑپ صاف طور سے نظر آتا ہے۔ زندگی میں پیدی شدہ مسائل زندگی کی گہرائیوں پر ان کی گہری نظر ہے۔ اگر ان کی زبان اور پیرایہ بیان کو دیکھیں تو دونوں ہی عمدہ ہیں۔انھوں نے اپنی تحریروں میں قاری کی دلچسپی کو قائم رکھا ہے۔اس میں شک نہیں کہ شبنم قیوم کو کہانی کا فن خوب آتا ہے۔ان کے یہاں وادی گلپوش کی زندگی کا متنوع مشاہدات اور وہاں کی عسکری تحریکیں اور کشمیر کے نامساعد حالات اور کشمیر میں کشمیری عوام کے مسائل وغیرہ کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ان کا تخلیق کردہ ناول"یہ کس کا لہو ہے کون مرا ا"ایک سیاسی وتاریخی ناول ہے۔ جس میں انھوں نے کشمیر کی سیاسی تاریخ کو اپنی فنی صلاحیتوں اور فنی بصیرتوں کا استعمال کرتے ہوئے پیش کیا ہے۔اس ناول کو پڑھ کر قاری کا ذہن کشمیر کی تاریخ سے بھی روشناس ہوتا ہے۔اور اس کے ذہن میں تاریخ کا ایک شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ شبنم قیوم نے کشمیر کے اندر رونما ہونے والے فسادات کو بڑے موثر انداز میں پیش کر کے اصل حقیقت کو سامنے لانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

شبنم قیوم کا ناول یہ کس کا لہو ہے کون مرا دسمبر ۲۰۰۲ء میں دہلی آفیسٹ پرنٹرس سے شائع ہوا۔ اس ناول میں ناول نگار نے کشمیر کے سیاسی حکمرانوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔چوں کہ یہ ایک سیاسی اور تاریخی ناول ہے ۔جو کشمیر کی تاریخ کے پسِ منظر میں لکھا گیا ہے۔ یہ ناول وادی کشمیر میں مسلسل چالیس سال سے چھپ رہا ہے۔ گزشتہ چالیس سال کے دوران اس ناول نے ۱۰ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

یہ تاریخی ناول پہلی بار جب ۱۹۷۵ء میں (اندرا عبداللہ ایکارڑ) کے موضوع پر منظر عام پر آآئی تو اس سے سرکار کی طرف سے ضبط کیا گیا اور شبنم قیوم کو روپوش ہونا پڑا۔[۲] اس ناول کے حروفِ اوّل میں مصنف یوں لکھتے ہے:

> اس کتاب کو چھپنے کے لیے میں نے اس سے پریس میں دے دیا لیکن ریاست کے وزیر اعلیٰ شیخ عبداللہ نے مجھ سے تحریر کی آزادی چھین کر اس کتاب کو ضبط کرایا اور مجھے پابند سلاسل کرنے کے لیے پولیس کو حرکت میں لایا گیا۔ لیکن مصلحت سے کام لے کر میں فوراً روپوش ہو گیا۔[۳]

کچھ مدت کے بعد شبنم قیوم کو پولیس کے سامنے حاضر ہونا پڑا۔چوں کہ اس ناول کی پوری کہانی حقیقت پر مبنی تھی۔ لہذا عدالت سے بری ہو گئی۔ البتہ جب اس ناول کی اشاعت دوبارہ ہوئی، تو عوام اس کو حاصل کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے، عوام کی مانگ کو لے کر اس تاریخی ناول کے ایک کے ایک ایڈیشن شائع ہوا۔ یہ کتاب بلیک میں بھی فروخت کی گئی۔

پبلشروں نے اس کی جعلی ایڈیشن نکالے، ڈیڑھ سال کے دوران اس کتاب کے آٹھ ایڈیشن شائع ہو چکے۔ اس دوران اس ناول کی ۳۶ہزار اس کی سیل ہو چکی ہے۔ جعلی ایڈیشن کا کوئی حساب نہیں، اس کے باوجود اس کی مانگ پوری نہ ہو سکی۔ تو اس کو ہاتھوں سے لکھ کر اپنے لیے محفوظ رکھی گئی اور دوسروں کو پڑھنے کے لیے دی گئی۔ اس طرح اس تاریخی ناول نے پہلی بار ایک ایسا ریکارڈ قائم کیا ہے، جو اپنی مثال آپ ہے۔ اس تاریخی ناول نے شبنم قیوم کو جو عزت، شہرت اور دولت دی۔ اس کی مثال ہماری ریاست میں کہیں اور نہیں مل سکی۔ شبنم قیوم اس ناول کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ریاست کے قدرِ آور لیڈر کے خلاف اس فردِ جرم نے مجھے شہرت دوام بخشا۔ میں نے اس سے دولت بھی حاصل کر لی۔ دولت اور شہرت کے ساتھ یہ کتاب میری پہچان بن گئی۔ شبنم قیوم اور یہ کس کا لہو ہے کون مرا لازم و ملزوم بن گیا۔[۴]

اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اس ناول نے وہاں کے سیاسی، صحافتی اور عوامی حلقوں میں ہل چل مچا دی۔ یہ ناول شبنم قیوم کی ایک پہچان گئی۔ یہ ایک تاریخی ناول ہے جس کا موضوع کشمیر کی سیاسی تاریخ سے منسلک ہے نثار راہی بھوپال اپنے مضمون میں یوں لکھتے ہیں کہ:

> یہ کس کا لہو ہے کون مرا نامی سیاسی اور تاریخ ناول کی شہرت نے شبنم قیوم کو سیاست اور تاریخ میں سمو لیا۔[۵]

مسئلہ کشمیر کے پسِ منظر میں کوئی بھی واقعہ رونما ہو جاتا یا شیخ عبداللہ اس مسئلہ پر کوئی بھی بیان دیتے، انٹرویو دیتے یا کہیں بھی تقریر کرتے تو شبنم قیوم اس سے اپنی جگہ نوٹ کرتا رہا اور اس سے ایک ناول کی صورت میں پیش کرتا۔ یہ کس کا لہو ہے کون مرا ایسے ناولوں میں ایک ایسا شہکار ناول ہے۔ جس میں ناول نگار بیک وقت تاریخ نگاری اور حقیقت بیانی سے کام لیتا ہے۔ قصہ گوئی اور ناول نگاری کے تقاضے بھی پورے کرتا ہے۔ اس ناول کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ اپنے اندر چند ایسے پہلو سموئے ہے۔ جو ہمیں کشمیر کے موضوع پر لکھنے والے دوسرے ناول نگاروں کے ہاں نظر نہیں آتے۔ ناول نگار نے کشمیر کی تاریخ ایک منفرد انداز میں بیان کی ہے۔ اس ناول کا موضوع کشمیر کی سیاسی تاریخ سے منسلک ہے۔

شبنم قیوم نے ناول میں کشمیر کا نام ریشما ہندوستان کو اشوک اور پاکستان کو محمود کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ بظاہر یہ تین کردار اہم ہیں۔ جو تین فرقوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ البتہ ریشما کا کردار علامتی ہے یہ کردار ایک وطن اور ایک قوم کی

نمائندگی کرتا ہے ریشما کا بحثیت والد شیخ محمد عبداللہ سب سے اہم کردار ہے۔ شیخ محمد عبداللہ (۱۹۰۵ء تا ۱۹۸۲ء) ایک سیاست دان تھے۔٦ جنھوں نے جموں و کشمیر کی سیاست میں مرکزی کردار ادا کیا۔ شیخ محمد عبداللہ جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے بانی رہنماؤں میں ایک اور جموں و کشمیر کے چوتھے اہم وزیر اعلیٰ تھے۔۷ ۱۹۴۷ء میں بھارت کے قبضے کے بعد جموں و کشمیر کے دوسرے وزیر اعظم کے طور پر اپنی خدمات سرانجام دیں۔۷

ان کے علاوہ ان میں جیتے جاگتے جو بھی کردار ہیں وہ اس موضوع پر مبنی ناول کے ساتھ پوری مطابقت رکھتے ہیں۔ ناول میں ایک ایک کردار کو اس کے اصلی روپ کے ساتھ پیش کیا ہے۔

شبنم قیوم نے شیخ عبداللہ کے تاریخی تقریر کے اقتسباس کو اپنے ناول کا موضوع بنایا۔ اس تاریخی تقریر میں انھوں نے جن خیالات اور نظریات کا اظہار کیا ناول نگار نے وہ اس ناول میں قلم بند کر دیا۔ اس تاریخی تقریر میں شیخ عبداللہ نے کشمیر کو ایک جوان خوبصورت لڑکی سے تشبیہ دی اور یہ تاثر دیا کہ:

> کشمیر کی مثال ایک خوبصورت عورت سے دی جاسکتی ہے جس سے دو آدمی شادی جو ایک دوسرے کے ہمسایہ بھی ہیں شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اس عشق کی وجہ سے دونوں کے درمیان قتل اور غارت گری کی نوبت آتی رہتی ہے۔ دونوں اس عورت کو حاصل کرنے کے اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اس کھینچ تان نے لڑکی کو آدھ مرا کر دیا ہے ان دونوں کے عشق کی وجہ سے کشمیری عوام کی حالت ماہی بے آب کی سی ہوگئی۔ ان دونوں عاشقوں کو کشمیری عوام کی خواہشات کی پرواہ ہے نہ ان کے امنگوں کی کوئی فکر ہے ایک عورت بیک وقت دو خاوندوں کی بیوی نہیں ہوسکتی۔۸

اس تاریخی واقعے کو موضوع بنا کر کشمیر کو پلاٹ بنا کر ناول نگار نے اس ناول کا نام رکھایہ کس کا لہو ہے کون مرا؟

اگر وادی کشمیر کے سیاسی حالات پر نظر ڈالی جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ کشمیر پر ہمیشہ اس کی خوبصورتی کی وجہ سے بیرون حکمرانوں کی نظریں رہی ہیں۔ اس لیے یہ واضح امر ہے کہ کشمیر کے لیے مختلف حکمرانوں نے آپس میں بہت جنگیں بھی لڑی ہیں چاہیے وہ مغل دور ہو، سکھ دور ہو، ڈوگرہ دور ہو یا پھر آج کا جمہوری دور ہو، غرض جو بھی حکمران کشمیر آئے انھوں نے اسی طرح ظلم کی انتہا کی کہ کشمیری عوام کی زندگی ابتلا و آزمائش کا شکار ہو گئی۔ چوں کہ شبنم قیوم نے جب آنکھ کھولی اور شعور سنبھالا تو وادی کشمیر کے حالات بہت ہی اضطرابی کیفیت کے تھے۔ یعنی ایک طرف شیخ محمد عبداللہ کشمیر کی

جنگ آزادی لڑ رہے تھے تو دوسری طرف کشمیر کے ہی کچھ لوگ اس نظریہ کی مخالفت کر رہے تھے۔ یہاں پر ہمارا مقصد سیاسی و سماجی مسائل کی عکاسی ہے تو یہ کہنا ضروری سمجھتی ہوں کہ شبنم قیوم بھی ان حالات سے بیت متاثر ہوئے کیوں کہ سیاست دانوں کے الٹ پھیر اور کشمیر کی سیاسی ہیرا پھیری نے شبنم قیوم کو بے حد متاثر کیا اور ان ہی حالات کی بنیاد پر انھوں نے یہ کس کا لہو ہے کون مرا کے نام سے یہ ناوک تخلیق کیا۔ یہ ناول کشمیر کی دردناک تاریخ کا فنی اظہار ہے۔ اس ناول میں ناول نگار نے خصوصی طور پر مسئلہ کشمیر اور شیخ عبداللہ کی سیاسی زندگی اور ہندوستان کے ساتھ الحاق پھر کشمیر میں ہندوستان کے خلاف تحریکی آزادی جیسے موضوعات کو کہانی کا روپ دے کر ان مسائل سے قارئین کا متعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔ ناول نگار نے فنی طور پر کشمیر کی کہانی کا راست بیانیہ کے ساتھ ساتھ علامتی اور استعاراتی اسلوب میں پیش کیا ہے۔ ناول کا مرکزی کردار اگرچہ ریشما ہے تاہم یہ ریشما کوئی لڑکی نہیں بل کہ یہ کردار ایک وطن اور ایک قوم کی نمائندگی کرتا ہے۔ ناول نگار اس کا تعارف یوں کرایا ہے:

> کشمیر جس کا دوسرا نام ریشما ہے۔ طویل بیماری کے بعد وہ صحت یاب ہو رہی ہے۔ لیکن اس کی جوڑ جوڑ میں اب بھی درد ہو رہا تھا۔ ناساز گار موسم اس کی صحت پر خاصا اثر ڈال رہا تھا۔۔۔ ملک کے ان بدلتے حالات کا ذمہ دار وہ فسادات کو گردانتی تھی۔ فسادات سارے ملک کو لپیٹ کر خطرناک صورت اختیار کر کے اس کی پریشانی کا باعث بن رہی تھی۔ 9

مندر بالا اقتباس میں ناول نگار نے کشمیر کے اندر رونما ہونے والے فسادات کو بڑے موثر انداز پیش کر کے اصل حقیقت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ناول نگار نے ریشما کے کردار کے ذریعے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ جب ۱۹۴۷ء میں برصغیر تقسیم ہو رہ تھا۔ تو جموں و کشمیر بھی ایک فیصلے کا منتظر تھا۔ برصغیر کی تقسیم دو قومی نظریہ پر رکھی گئی تھی۔ اس کے مطابق ہندو اکثریت والی ریاستیں اور صوبے ہندوستان میں اور مسلم اکثریت والی ریاستیں اوع صوبے پاکستان میں شامل ہوئے، برصغیر کی آزادی کے بعد وادی کشمیر کے مہاراجہ ہری سنگھ کو بھی یہ اختیاد دیا گیا تھا کہ وہ دو ملکوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کرلیں۔ چوں کہ کشمیر جو مسلم اکثریت والی ریاست ہے۔ اوّل مراحل میں پاکستان نے ہری سنگھ کے ساتھ الحاق کے معاملے میں رابطہ کیا۔ پاکستان نے مہاراجہ کو داخلی مختاری کی ضمانت بھی دی۔ اگرچہ مہاراجہ ہری سنگھ نے اس اقدام کا خیر مقدم کیا۔ لیکن اس کا تحریری معاہدہ نہیں پایا۔ اسی اثنا میں قبائیلیوں نے ریاست جموں و کشمیر پر حملہ کیا۔ اس کے بعد ناول نگار نے اس کرب ناک حقیقت سے بھی پردی اٹھایا ہے ریشما یعنی کشمیر کے ساتھ اپنے اور غیر سب ایک جیسا سلوک کرتے ہیں۔ اس طرح ریشما ڈوگرہ اور قبائیلیوں سامراج کی درندگی کا شکار بنتی ہے:

ریشما کو حاصل کرنے کے لیے محمود نے قبائلی یہاں بھیج دیئے تھے ان کی وجہ سے یہاں ایک زبردست اتھل پتھل مچ گئ۔۔۔ قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔۔۔ قبائیلیوں کو ریاست سے بھگانے کے لیے ہنگامی سطح پر کاروائی کی گئ۔اور ان قبائیلیوں کو یہاں سے نکالنے کے لیے اشوک کی مدد حاصل کی جانے لگی۔۱۰

ناول نگار نے محمود کے کردار کے ذریعے یہ بتانے کو شش کی ہے پاکستان نے ریشما یعنی کشمیر کو حاصل کرنے کے لیے جو قبائل بھیجے تھے۔انھوں نے کشمیریوں پر ظلم و جبر کی نئ تاریخ رقم کی۔اور بعد میں کشمیری ڈوگرہ حکمران ہری سنگھ نے قبائیلیوں کو وادی سے بھگانے کے لیے اشوک یعنی بھارت سے فوجی مدد مانگی۔ناول نگار کے مطابق مہاراجہ نے ہندوستان سے ایک پڑوسی ملک ہونے کے ناطے مدد مانگی تھی۔ مگر بھارت نے موقعے کا فائدہ اٹھا کر الحاق کی شرط رکھ دی۔ بھارت نے صاف انکار کر دیا تھا کہ ہم الحاق کے بغیر غیر ملک میں اپنی فوج داخل نہیں کر سکتے،حالات کی نزاکت کو دیکھ کر مہاراجہ کو عارضی طور پر الحاق کرنا پڑا۔ جس کی وجہ سے کشمیر میں ہندوستان کی فوج داخل ہوئی اس کے بعد اقوام متحدہ نے جنگ بندی کا اعلان کیا۔اور اس اس نتیجے میں وادی کشمیر دو حصوں میں بٹ گیا۔

۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریاست جموں وکشمیر پر قبائیلیوں کی یلغار کے حوالے سے تاریخ میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ ۱۱ کچھ لوگ قبائل کی اس یلغار کو وادی کشمیر کے ایک حصے کو آزاد ہونے کو قبائیلیوں کا کارنامہ سمجھتے ہیں۔تاہم کچھ مورخ اس بات کو رقم کرتے ہیں کہ قبائیلیوں نے ۱۹۴۷ء میں ریاست جموں وکشمیر میں قتل و غارت گری اور املاک کی تباہی کرتے ہوئے آگے رہے تھے۔ جس کی وجہ سے بھارت کو کشمیر میں فوجیں اتارنے کا موقع ملا۔ ثناءاللہ بٹ اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

قبائیلیوں نے جب بارہ مولہ پر قبضہ کر لیا اور پھر انھوں نے وہاں لوٹ مار شروع کر دی۔۔۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاست جموں وکشمیر کا الحاق ہندیونین سے کر لیا اور حکومت ہندوستان نے مہاراجہ کی درخواست قبول کرتے ہوئے ریاستی فوج کی مدد کی لیے انڈین آرمی بھیجنا شروع کر دی۔۱۲

ثناءاللہ بٹ کے مطابق ریاست جموں وکشمیر پر قبائیلیوں نے حملہ کر کے وہاں کے امن و امان کو درہم کر دیا۔انھوں نے وہاں کشمیریوں پر ظلم و جبر کی نئ تاریخ رقم کی اور کشمیر کو بہت سے ٹکڑوں میں تقسیم کر کے کشمیر کے جغرافیائی چہرے کو مسخ کر دیا۔ جس کی وجہ سے مہارجہ ہری سنگھ ہندوستان سے الحاق کرنے پر مجبور ہو گئے۔اس کے برعکس ریاست میں قبائیلیوں کے داخلے کے بارے میں سردار محمد عبدالقیوم اپنی کتاب "مقدمہ کشمیر" میں لکھتے ہیں:

قبائلی تو کشمیریوں کی مدد کے لیے آئے ان کو کسی نے نہیں بھیجا بل کہ وہ خود اپنی مرضی سے آئے۔اگر قبائل نہ بھی آئے ہوتے تب بھی پوزیشن یہی ہوتی کہ ہندوستان کے ساتھ مہاراجہ نے الحاق کرنا تھا۔یہ مہاراجہ نے محض بہانہ بنایا جو کہ صحیح نہیں ہے کہ قبائلی آئے تو ایسا ہوا۔۱۳

اس سے یہ نقطہ عیاں ہو جاتا ہے کہ قبائل کشمیری مسلمانوں کی مدد کرنے کے لیے آئے تھے وہ کشمیری مسلمانوں کو ڈوگروں کے ظلم و تشدد سے آزاد کرانے گئے تھے۔اعجاز حسین اپنی کتاب *Kashmir Dispute :An International Law Perspective* میں قبائیلیوں کے بارے میں یوں رائے رکھتے ہیں:

The Pathan tribesmen from the tribal areas of Pakistan's North Western Frontier Province ,fired by the sentiment of holy war ,entered Kashmir to help their co-religionists in trouble.۱۴

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قبائل مظلوم کشمیریوں کو اس ظلم سے نکالنے ک لیے گئے تھے۔جوزف کاربل بھی اپنی کتاب *Danger in Kashmir* میں ریاست میں قبائیلیوں کے داخلے کے بارے یہی رائے رکھتے ہے کہ قبائل کشمیر مسلمانوں کی مدد کرنے ک لیے گئے تھے۔

پاکستانی مسلمانوں کا کشمیری مسلمانوں کے حالات میں دلچسپی لینے کا پہلا موقعہ نہ تھا اس سے قبل ۱۹۳۱ء میں جب کشمیری مسلمانوں نے مہاراجہ کے خلاف بغاوت کی اور کئی شہروں میں مارشل لاء لگا کر مہاراجہ نے ان پر ظلم و تشدد کیا تو پنجاب کے مسلمانوں نے ہزاروں کی تعداد میں کشمیر میں داخل ہونے کے لیے ریاست کی سرحدوں کا رخ کیا۔۱۵

شبنم قیوم یہ ناول تحریر کرنے کے بعد جب تحقیق کے میدان میں آئے تو ان کو بھی اپنی رائے بدلنی پڑی۔شبنم قیوم نے کشمیر کا سیاسی انقلاب (پانچ جلد) کے نام سے کتاب تحریر کی۔جس میں انھوں نے کشمیر کی تاریخ قلم بند کی ہے اور اس میں خود اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

جب حالات نارمل ہو گئے اور قبائلی حملے کے بارے میں مختلف اداروں سے تفصیلات ملنے لگیں تو قبائیلیوں کے بارے میں قائم کردہ رائے کسی حد تک بدلنی پڑی۔۱۶

ناول نگار کے مطابق جب اشوک ریشما کی مدد کے لیے آگیا تو وہاں ایک جوش و جذبہ پیدا ہو گیا۔ بھارت کی فوج کے آنے سے قبائیلی وہاں سے بھاگ تو گئے البتہ وہ ریشما کے ایک انگ کو اپنے ساتھ لے گیے ہے۔ ریشما کو بہن کی جدائی کا بے حد افسوس ہوتا ہے۔ وہ وقتی طور پر اس سانحہ کو بھول جاتی ہے۔ وہ اشوک کے کام سے بہت خوش نظر آرہی تھی۔ اشوک سے ملنے کے لیے بے چین ہو رہی تھی۔ ریشما جب اشوک سے ملتی ہے تو ریشما اشوک کا شکریہ ادا کرتی ہے وہ اشوک کو کہتی ہے کہ آپ نے مجھ پر جو بڑا احسان کیا۔ اس کو میں پوری زندگی نہیں بھلوں گی:

> ریشما۔۔۔ میں تمہاری کسی بھی کمزوری کا ناجائز فائدہ اٹھانا نہین چاہتا، تم میرے اس کارنامے کو احسان سمجھو یا کچھ اور تمہاری اپنی مرضی ہے۔ اس لیے کہ تم اپنی کی آپ مالک ہو، یہ تمہارے ساتھ میرا ایک عہد ہے۔ اس عہد پر میں ہمیشہ قائم رہوں گا۔ ۱۷

مندرجہ بالا اقتباس کی سطور سے ناول نگار یہ بات واضح کر رہا ہے کی بھارت داوی کشمیر میں پہلے ایک محافظ کے طور پر کشمیر میں داخل ہوا، جیسے جیسے ہندوستان کی قیادت عوام پر طاری ہوتی گئی ویسے ویسے ہندوستان کا کشمیر کی حفاظت کا جذبہ ایک منفی صورت اختیار کرنے لگا۔ اور آہستہ آہستہ ہندوستان کی نیت ڈگمگانے لگی اور وہ اپنے پنجے وادی کشمیر میں مضبوط کر نے لگا۔ جہاں ایک طرف ہندوستان ریاست جموں و کشمیر میں اپنی فوجی لشکر میں اضافہ کرتا جارہا تھا تو دوسری طرف سیاسی چالیں چل رہا تھا۔ ناول نگار نے ایک خوبصورت انداز میں ہندوستان سماج اور سیاسی قیادت کی سوچ کو اجاگر کیا ہے کہ ہندوستان شروع سے ہی وادی کشمیر کو ایک بھولی بھالی خوبصورت لڑکی تصور کرتے تھے۔ اور کشمیر کی سیدھی سادھی عوام کا فائدہ اٹھا کر بہت سے جھوٹ موٹ بول کر کچھ لوگوں ملا کر کٹھ پتلی حکومتوں کے ذریعے کشمیری عوام کو دھوکا دہی کی جال میں پھنسا رہے تھے۔ اس طرح ایک زمانے کا محافظ اب قابض میں بدل گیا ہے:

> ریشما میں جانتا ہوں تم ایک حسین اور جوان لڑکی ہو اور تمہارے دو چاہنے والے ہیں ایک محمود اور دوسرا اشوک۔۔۔ جب کہ حسین اور جوان لڑکی کے دو چاہنے والے ہوں اور ان دونوں میں سے ایک بھی پیچھے ہٹنے والا نہ ہو۔ تو اس صورت میں کیا کیا جا سکتا ہے۔۔۔ میری مانو تمہاری لیے بہتر رہے گا کہ تم ان دونوں کے ساتھ شادی کرنے سے صاف انکار کر کے کنواری رہنے کا فیصلہ کر لو، اور اپنی آزادی پر قائم رہو۔ ۱۸

ناول میں صرف کشت و خون کے واقعات ہی نہیں بل کی عشق و محبت کا رنگین قصّہ بھی موجود ہے جو ریشما ،اشوک اور محمود کے کرداروں کے ذریعے قاری کی دلچسپی کا سامان فراہم کرتا ہے۔ ناول میں تاریخ اور رومانی کہانی ایک

دوسرے کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔رومانوی قصّہ کے بیان کے ساتھ ساتھ مصنف نے کشمیر میں کھیلے جانے والے سیاسی کھیل پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے اس طرح تاریخ اور رومان کے امتزاج سے ایک خوبصورت ناول کو جنم دیا ہے۔

ریشما کا باپ یعنی شیخ عبداللہ ایک حقیقی کردار کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے۔جس کی زندگی کا واحد مقصد وادی کشمیر کی بقا کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔اور "ریشما" کشمیر کی سیاسی صورت حال کو ظاہر کرتی ہے۔ شیخ عبداللہ ریاست جموں وکشمیر کی خود مختاری کے لیے میدان میں آتا ہے اور بھارت کے ساتھ الحاق کے خلاف جدوجہد کرتا ہے۔ریشما کا باپ یعنی شیخ عبداللہ دو ممالک میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق نہیں کرنا چاہتے تھے بل کہ شیخ عبداللہ خود مختار کشمیر کے حامی تھے۔جب شیخ عبداللہ نے "کشمیر چھوڑ دو اور امر تسر توڑ دو" کا مطالبہ کیا۔تو اس کی گونج جب جموں پہنچی تو مہاراجہ ہری سنگھ سخت پریشان ہو گئے۔مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کر کے شیخ عبداللہ ریاست سے فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔تو انہیں راستے میں گرفتار کر لیا گیا۔"کشمر چھوڑ دو" تحریک کے مقدمے کی سماعت کے دوران شیخ عبداللہ نے مہاراجہ سے بغاوت کے الزام کی تردید کی۔لیکن ان کی تقاریر کے ثبوت موجود تھے۔شیخ عبداللہ نے جیل میں ہی مہاراجہ کی حکمرانی کی مخالفت کی۔اور کشمیر کے حق میں خود رائے شماری پر زور دیا۔ناول نگار نے شیخ عبداللہ کے حقیقی تقریر کو ناول میں شامل کیا۔جس کی مثال ہمیں تاریخ کی کتابوں سے بھی نظر آتے ہیں۔ثناءاللہ بٹ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

> شیخ محمد عبداللہ نے موسم بہار کی آمد کے سلسلے میں سرینگر میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ کشمیر ایک خوبصورت باغ ہے اور ساری دنیا اس کی خوبصورتی کو پسند کرتی ہے، کشمیری عوام چاہتے ہیں کہ یہ خوبصورت باغ اس برصغیر میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان نفرت اور دشمنی کے بجائے دوستی اور محبت کا پُل بن جائے۔۱۹

ریشما کا باپ یعنی شیخ عبداللہ کشمیر عوام کو پاکستان اور ہندوستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کرنے سے منع کرتا ہے۔چوں کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے شیخ عبداللہ کے ساتھ لال چوک میں ہاتھ ملا کر جو وعدے کئے تھے وہ یہ کہ وادی کشمیر کے حالات سازگار ہونے کے ساتھ ہی وہ پورے کئے جائیں گے۔لیکن جب شیخ عبداللہ نے کئے گئے وعدوں کو پورا کرنے کی مانگ اور مطالبہ کیا تو ہندوستان نے غیر آئینی طور پر بحیثیت وزیر اعظم شیخ عبداللہ کو رات کے اندھیرے میں ہند فوج نے گلمرگ میں گرفتار کر کے جموں جیل میں منتقل کیا گیا۔اور بھارت اپنے کئے ہوئے تمام وعدوں سے مکر گیا:

میں نے میدان کارزار میں اتر کر ریشما کی خوشحالی کے لئے ایک خواب دیکھا ہے۔۔۔میں نے اپنی بیٹی سے وعدہ کیا ہے۔۔۔میں نے خانقاہ معلیٰ میں یہ وعدہ پورا کرنے کی قسم کھائی ہے۔میں واضح الفاظ میں ریشما کی آزادی اور خود مختاری کا اعلان کرتا ہوں۔۔۔ شیخ عبداللہ کی طرف سے ان خیالات کے اظہار سے جہاں محمود اور اشوک کی دونوں ہی مشعل ہو گئے۔وہاں اشوک نے اس کا سنجیدہ نوٹس لیا۔۲۰

ناول نگار نے شیخ عبداللہ کے تاریخی تقریر کو ناول میں شامل کر لیا ہے۔جو انھوں نے جامع مسجد میں بے شمار لوگوں کے سامنے پہلی عوامی تقریر کی۔ثناءاللہ بٹ نے بھی اس تقریر کو اپنی کتاب میں شامل کیا ہے۔اور لکھتے ہیں کہ :

اس تقریر میں شیخ عبداللہ نے نہایت واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دیا کہ ۔۔۔چوں کہ میں،ہندوستان اور پاکستان اس بات پے متفق ہو چکے ہیں اور یہ قرار کر چکے ہیں کہ کشمیری عوام اپنے مستقبل اور اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنے کے خود مجاز ہیں،اس لئے اب وقت آگیا ہے کہ انہیں یہ موقع فراہم کیا جائے کہ وہ اس بات کا فائدہ کریں کہ وہ ہندوستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں، یا کوئی اور راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔۲۱

شیخ عبداللہ کو جب ہندوستان کے ارادوں کا پتہ چلا کہ وہ کشمیری عوام کے حق خود اریت کے وعدے سے منحرف ہو رہا ہے اور وادی کشمیر کے استصواب رائے کو ختم کرنے کے درپے ہے تو انھوں نے اس کی مخالفت کی۔ان کی تقریروں سے نہ صرف کشمیر بل کہ سارے ہندوستان اور پاکستان میں ہلچل سی مچ گئی اس پر نہرو حکومت نے شیخ عبداللہ پر کشمیر کو ہندوستان سے الگ کرنے کی سازش کا الزام لگا کر نہ صرف اقتدار سے بر طرف کر دیا گیا۔بل کہ انہیں جیل میں بھی ڈال دیا گیا۔

اب یہاں دوسرا کردار غلام محمد بخشی ریشما کا انکل کے روپ میں نمودار ہوتا ہے۔یہ بھی ایک حقیقی کردار ہے۔جب شیخ عبداللہ کو وزیر اعظم کی حیثیت سے مسترد دیا گیا تو اس کی جگہ ریشما کے انکل یعنی غلام محمد بخشی کو وادی کشمیر کا وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ریشما باپ کی جدائی میں ہر وقت غمگیں رہتی ہے۔وہ سوچتی رہتی ہے۔میری باپ مجھے چھوڑ کر کہاں چلا گیا ہے:

ریشما میں جانتا ہوں تمہیں اپنے باپ کے بچھڑنے کا دکھ ہے۔اس دکھ اور صدمہ نے تمہیں ورافتہ بنا دیا ہے۔۔۔اسی لئے تمہیں کچھ بھی سوجھائی نہیں دیت جب تک تمہارا باپ واپس نہیں آتا میں تمہارا باپ بن کر رہوں گا۔۲۲

انکل یعنی غلام محمد بخشی ریشما کی شادی زبردستی اشوک سے کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ریشما کسی صورت میں اشوک سے شادی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی انہیں اپنے باپ یعنی شیخ عبداللہ پر پورا ابھروسہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے انکل غلام محمد بخشی کو بار بار کہتی ہے کہ میرا باپ مجھے کسی سے بھی شادی نہ کرنے کا درس دیتے ہیں۔ جب کہ آپ میری شادی کرانے کے درپے ہیں۔ غلام محمد بخشی ریشما کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے کہ آپ کی شادی کا فیصلہ آپ کا باپ شیخ عبداللہ کر چکے ہیں:

> بٹی۔! تمہارے باپ کا یہ فیصلہ ایک غلط فیصلہ ہے وہ مستقبل قریب میں بہت پچھتائے گا اور اس پچھتاوے میں وہ اپنا اصول بھول کر بہت سستے میں تمہارا بیاہ اشوک کے ساتھ کرنے کا اقرار کرے گا۔
>
> کیوں! اشوک کے ساتھ کیوں کرے گا۔ محمود کے ساتھ کیوں نہیں۔ ۲۳

مندرجہ بالا سطروں میں ناول نگار نے ایک اہم چیز کی طرف اشارہ کیا ریشما کے کردار کے ذریعے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کشمیری عوام شروع سے ہی پاکستان سے محبت کرتی تھی، چوں کہ وادی کشمیر کی اکثریت مسلمانوں پر مبنی تھی۔ اس لئے وہ یا تو وہ پاکستان سے الحاق کرنا چاہتے تھے یا خود مختار رہنا چاہتے تھے۔ ناول نگار نے انکل کے ذریعے دوسری چیز کی طرف بھی واضح اشارہ کیا۔ کہ وادی کشمیر میں غلام محمد بخشی نے بار بار لوگوں کو شیخ عبداللہ کی اصلیت سے آگاہ کیا تھا۔ لیکن کسی نے ان پر اعتبار نہیں کیا۔ ان کوششوں کے باوجود بھی وہ کشمیریوں کے دلوں سے شیخ عبداللہ کی محبت وعقیدت نہیں نکال سکا۔ غلام محمد بخشی پالسی ساز ہو کر بھی کشمیری عوام کے دلوں سے غلط فہمی دور نہ کر سکے۔ ان کے سمجھانے کے باوجود بھی کشمیری عوام شیخ عبداللہ کو آزادی کا سرخیل سمجھ بیٹھے تھے۔

ناول نگار فلیش بیک کی تکنیک سے ماضی کا سفر کرتا ہے غلام محمد بخشی کے دور کے بعد دوبارہ ناول نگار شیخ عبداللہ کے اس دور کی بات کرتا ہے۔ جب شیخ عبداللہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے اپنی زندگی کے دن گزار رہا تھا۔ فن کار نے اپنی ہنرمندی سے شیخ عبداللہ کی سوچ وفکر اور پچھتاوے کو پیش کر کے قاری کو اس دور میں لے جاتا ہے جب شیخ عبداللہ نے مسلم کانفرنس کو نیشنل میں بدل دیا تھا:

> میری ملاقات لاہور ریلوے اسٹیشن پر پنڈت جواہر لعل نہرو سے ہو گئی۔۔۔ انھوں نے مجھے اپنے ساتھ لیا۔ ایک ساتھ چلتے ہوئے ہم نے کھل کر باتیں کیں اور باتوں باتوں میں انھوں نے مجھے قومی لیڈر بننے کی ترغیب دی۔ مجھے مسلم کانفرنس کے دائرے سے نکال آنے کا مشورہ دیا۔ پنڈت نہرو کے قریب رہ کر ان کی شخصیت نے مجھ پر گہرا اثر کیا۔ چنانچہ ۱۱ جون ۱۹۳۹ء کو اپنے قریبی ساتھیوں کی زبردست مخالفت کے باوجود میں نے مسلم کانفرنس کا نیشنل کانفرنس میں بدل دیا۔ ۲۴

مندرجہ بالا اقتباس میں ناول نگار نے ایک حقیقی تاریخی واقعے کی طرف واضح اشارہ کیا ہے۔ جب شیخ عبداللہ نے ۱۹۳۹ء میں مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس جیسی مضبوط جماعت کا نام بدل کر نیشنل کانفرنس رکھنے کی پہل کی تھی۔ ۲۵ شیخ عبداللہ نے دو قومی نظریہ کو مسترد کرتے ہوئے سکولر ہندوستان کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کی ترجیح دی تھی بجائے اس کے کہ ریاست جموں و کشمیر کی کثیر آبادی مسلمانوں پر مبنی تھی، اس لئے یا تو وہ خود مختار رہیا برطانوی فارمولہ کے مطابق پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے تھے۔ اس کے باوجود بھی انھوں نے پاکستان کے بجائے ہندوستان کے ساتھ جوڑنے کے لئے راہ ہموار کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ اس غلطی کا اعتراف شیخ عبداللہ نے خود اپنی کتاب "آتش چنار" میں یوں کیا ہیں:

> ۱۹۳۷ء کے آس پاس ہی میری ملاقات پنڈت جواہر لعل نہرو سے لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر ہوئی ---پنت نہرو جی مجھ سے اصرار کرنے لگے کہ میں ان کے ساتھ سرحد چلوں۔ ان کے اصرار میں اتنی اپنائیت اور گرمی تھی کہ میں یوں ہی چلنے پر آمادہ ہو گیا۔ تاکہ پنڈت جی سے تبادلہ خیال کا تفصیلی موقع بھی ملے---انھوں نے مجھ سے تحریک کے متعلق بہترین سوالات پوچھے میں نے--- نئی تحریک کے پس منظر سے انہیں واقف کرایا اور ان پر واضح کیا۔ کہ یہ تحریک کسی صورت میں فرقہ وارانہ نہیں ہے--- پنڈت جی نے مشورہ دیا کہ ہمیں تنظیم کے دروازے ریاست کے ہر باشندے کے لئے بلالحاظ مذہب وملت کھلے رکھنے چاہئے تاکہ غیر مسلموں میں بھی اس تحریک کا ساتھ دینے کی توفیق ہو۔ ۲۶

نہرو حکومت نے شیخ عبداللہ پر کشمیر کو ہندوستان سے الگ کرنے کی سازش کا الزام لگا کر برطرف کر دیا اور جیل میں ڈال دیا۔ شیخ عبداللہ کو جب جیل سے رہا کیا گیا۔ تو لوگوں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ اسی دوران ان کے قریبی ساتھیوں نے شیخ عبداللہ کو ہری سنگھ کے ساتھ گفتگو کرنے کا مشورہ دیا۔ انھوں نے یہ مشورہ قبول کر کے مہاراجہ ہری سنگھ سے ملاقات کا وقت مانگا:

> میں رہائی کے فوراً بعد مہاراجہ سے ملا تو انھوں نے میرے سامنے واضح کر دیا۔ میں کشمیر کو مسلم اکثریت کے ناطے پاکستان مین شامل کرنا چاہتا ہوں، نہیں تو اس سے آزاد اور خود مختار رکھ دوں گا۔ میں نے مہاراجہ کی اس رائے کے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کشمیر پاکستان میں شامل ہو جائے۔ اس بات کا خدشہ تھا اگر ریاست کے لوگ نے مذہبی جنون میں پاکستان کے ساتھ الحاق کیا تو میرا کے ہو گا۔ ۲۷

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کی شیخ عبداللہ اپنے اقتدار کے خاطر کشمیری عوام کو دھوکہ دے رہا تھا۔ لوگوں کو آزادی کا خواب دکھا کر اپنے پیچھے لگائے رکھا اور خود اپنے اقتدار کے لیے راستہ تلاش کر رہا تھا۔ شیخ عبداللہ کے بارے میں شبنم قیوم کشمیر کا سیاسی انقلاب میں لکھتے ہیں:

> مہاراجہ ہری سنگھ اور شیخ عبداللہ کے درمیان ملاقات دیر تک جاری رہی شیخ عبداللہ نے مہاراجہ کے اس خیال "کشمیر کو آزاد اور خود مختار رہنا چاہیے" کے ساتھ اختلاف کیا، انھوں نے اس موقع پر جب کہ شورش زوروں پر تھی کوئی فیصلہ لینے کو جلد بازی سے تعبیر کیا۔۲۸

ناول نگار اس بات کی طرف کی اشارہ کر رہے ہے۔ کہ شیخ محمد عبداللہ کو وزارت اعظٰی سے برطرفی اور پھر گرفتاری کے بعد کشمیریوں کے نظروں میں ایک دم فرشتہ بن گئے مگر وادی کشمیر کے نادان اور ناسمجھ لوگ انہیں آزادی کا ہیرو سمجھنے لگے۔ لیکن اس کے بعد حالات نے ثابت کر دیا کہ یہ ایک سازش تھی، دھوکا تھا یہ سب کچھ لوگوں کو اپنے اعتماد میں لینے کا ایک ذریعہ تھا۔ ورنہ حقیقت میں ان کی نیت صاف نیں تھی چوں کہ وادی کشمیر کے عام لوگ ان کے دل کی بات جانے سے قاصر تھے۔ اس لیے کشمیریوں نے ان کی زبان پر اعتبار کیا:

> اس کے لیے کسی کو کچھ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ نہ اس نعرے کو واپس لو اور نہ ہی اس کی پیروی کرو، ٹھیک ہے۔۔۔ ایسا ہی ہوگا۔ بیگ صاحب نے ایک آہ بھرتے ہوئے کہا، اور کچھ سوچ کر پھر بولا۔
>
> میرے خیال میں اپنا مدعا و مقصد پوشیدہ رکھ کر ہم خود کو بھی دھوکہ دیتے ہیں اور دوسروں کو بھی۔ ایک طرف ہم کہہ سکتے ہیں ریشما اپنی مرضی کی اپنی مالک ہے وہ جس کے ساتھ چاہے شادی کرے گی، ریشما سے کہتے ہیں ہم دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی شادی کر لو، میرے خیال میں یہی ایک تحمصی ہے جو اشوک اور محمود کو آپس میں لڑاتی ہے۔۲۹

شیخ محمد عبداللہ جس حق خود دارایت اور رائے شماری کا مطالبہ کر رہے تھے ان کے نزدیک وہ اقتدار کا دوسرا روپ تھا وہ اپنے اقتدار کے لئے لڑ رہے تھے۔ اور عام لوگ سمجھ رہے تھے کہ کشمیروں کے حق میں لڑ رہے ہیں، جب کہ حقیقت میں وہ ان کی غلامی کا سامان مہیا کر رہا تھا۔ ناول نگار کے مطابق شیخ محمد عبداللہ وادی کشمیر کو مہاراجہ ہری سنگھ کی غلامی سے نکال کر جواہر لعل نہرو کی غلامی میں رکھنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ جب کہ کشمیری عوام چاہتے تھے کہ یا خود مختار کشمیر یا پاکستان کے ساتھ الحق کر کے جنگ و جدل اور دشمنی کی آماجگاہ نہ بنئے۔ مگر شیخ محمد عبداللہ مستقبل سے لاپرواہ ہو کر صرف اپنے ذاتی مفاد کی

پرواہ کر رہے تھے کیوں کہ ان کے پیچھے لوگ تھے۔اور ان لوگوں کے بل بوتے پر وہ تحریک پر حاوی رہے یہ جو انھوں نے لوگوں کو اپنے اعتماد میں لے کر ان کی ساتھ جو کھلواڑ کیا ایسی مثال کئی سے بھی ملنی مشکل ہے:

> ریشما کو حاصل کرنے کے لیے اشوک اور محمود میدان جنگ میں کود پڑے ہیں۔دونوں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ان دونوں کی یہ لڑائی دیکھ کر ریشما رو رہی ہے۔۔۔کاش میری بھی شادی انہی دنوں ہو تی جب ملک آزاد ہو گیا تھا۔۔۔تو یہ مسئلہ کب کا ختم ہو گیا ہوتا۔[۳۰]

ناول نگار نے اشوک اور محمود کے کردار کے ذریعے پاک بھارت جنگ کو بڑی بے باکی سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔اور ایک حقیقت کی نشان دہی کرائی ہے کہ شیخ محمد عبداللہ نے دنیا کو مسئلہ کشمیر دیا اور اس مسئلے نے ہندوستان اور پاکستان کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا۔اسی وجہ سے دونوں ملکوں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان باعث نزاع بن کر آئے دن تباہی و بربای کے آثار نمایاں کر رہا ہے۔ناول نگار نے ایک حقیقت سے پردہ اٹھا کر اصل حقیقت سامنے رکھ دی ہے، کہ مسئلہ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کا پیدا کردہ ہے۔مسئلہ کشمیر نہ ہوتا تو پاکستان اور ہندوستان ایک دوسرے کے دوست ہوتے۔کشمیری عوام کو انھوں نے ایک ایسے راستے پر کھڑا کیا۔جہاں وہ ایک پیدا کردہ تنازعہ کو دیکھ کر احتجاج کرتے ہیں۔کشمیر عوام اپنا حق مانگتا ہے تو ان کا یہ فیصلہ قبول نہیں کیا جاتا۔اور وادی کشمیر کو ایک چھوٹی آبادی مان کر طاقت کے زور پر وادی کو حاصل کرنے کی جنگ وجدل کی جاتی ہے۔وادی کشمیر کو حاصل کرنے لیے نہ صرف لہو بہہ گیا بل کہ انسان بھی قتل ہوئے ہیں۔یہ لہو اب بھی بہہ رہا ہے اور قتل وغارت گری اب بھی جاری ہے:

> ابا جان۔۔۔آپ کی ساری زندگی تضاد بیانات پر مشتمل ہے۔کبھی آپ ایک بات کہتے ہیں تو کبھی دوسری۔۔۔ایک جگہ بات تو دوسری جگہ دوسری بات۔۔۔شیر دل ہو کر بھی گیدڑ بن جاتے۔آپ کا اصل کیا ہے اور نقل کیا ہے؟آپ کی ہو کر بھی میں آج تک سمجھ نہ سکی۔[۳۱]

شبنم قیوم نے اس ناول میں شیخ محمد عبداللہ کے دہری پالیسی کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔کہ انھوں نے اپنے اقتدار کے خاطر اپنی قوم کے ساتھ نہ صرف غداری کرتے رہے بل کہ وہ اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لیے ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کو یہ تاثر دیتا رہا کہ پاکستان حکومت بھی الحاق کے لیے میرے ساتھ رابطے کر رہی ہے۔شیخ عبداللہ ہندوستان کو پاکستان کے نام پر بلیک میل کرتا رہا اور کشمیریوں کے سامنے آزادی کا ہیرو بنتا رہا۔ناول نگار نے ایک موثر انداز میں شیخ عبداللہ کے دوغلے پن اور مکاری کو بھی بے نقاب کیا ہے۔کہ شیخ عبداللہ جو بیان سرینگر میں دیتے تھے جموں جا کر اس کو بدل دیتے اور دہلی میں اس کی تردید کرتے، دہلی میں جو بیان دیتے وہ جموں میں بدلتے اور سرینگر آکر اس کا

حلیہ ہی بدل جاتا تھا۔ان کی سیاسی زندگی کے متضاد بیانات سے کشمیری عوام کو اتنا الجھا دیا کہ آج اتنا وقت گزرنے کے باوجود بھی اکثر و بیشتر لوگ نہیں سلجھتے:

> پہلگام میں ۲۷ ستمبر ۱۹۷۳ء کو کشمیری قوم کی عزت و آبرو اقتدار کی بھینٹ چڑھا دی گئی جس قوم کی عزت و آبرو کا مقام دلانے کا ایک زمانے سے ڈھنڈورا پیٹا جا رہا تھا۔۔۔اندرا گاندھی اور شیخ عبداللہ کے درمیان ۔۔۔بات چیت ہوئی جو مسئلہ کشمیر حل کرنے کے بارے میں تھی۔۔۔جب اندرا جی نے انہیں اصل مسئلہ پر آنے کے لیے کہا تو انھوں نے جواب دیا۔ میں حق خود ارادیت اور رائے شماری سے دستبردار ہو کر بھارت کے ساتھ الحاق کو حتمی مان کر قومی دھارے میں شامل ہو رہا ہوں۔ صرف میری ایک تجویز ہے کہ میری ۱۹۵۳ء کی پوزیشن بحال کی جائے۔ ۳۲

ناول نگار بھارتی حکمرانوں کی سازششوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔اور اس صورت حال کو واضح انداز میں بیان کیا ہے۔ کہ شیخ عبداللہ اقتدار میں دوبارہ آنا چاہتے تھے۔ وہ بظاہر عوام نے سامنے آزادی کا ڈھنڈورا پیٹ رہے تھے اور سادہ دل کشمیریوں کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کر رہے تھے۔ لیکن اندرونی طور پر وہ بھارت سے ملا ہوا تھا۔اس سلسلے میں ثناء اللہ بٹ اپنی کتاب میں یوں تحریر کرتے ہیں:

> ۲۶ ستمبر ۱۹۷۳ء کو مسز اندرا گاندھی کشمیر آئیں اور پہلگام میں قیام کیا۔اس کے اگلے روز ۲۷ ستمبر کو شیخ محمد عبداللہ سرینگر سے پہلگام گئے جہاں انھوں نے ہندوستانی وزیر اعظم کے ساتھ دو گھنٹے تک ملاقات کی اور مسز گاندھی کو پھر یقین دلایا کہ وہ نئی دہلی کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے بالکل تیار ہیں۔ ۳۳

ناول نگار نے ایک اہم بات کی طرف واضح اشارہ کیا ہے کہ جو کام بھارت کا وزیر اعظم جواہر لعل نہرو نہیں کر سکا وہ ان کی بیٹی مسز اندرا گاندھی نے کر کے دکھایا۔ شیخ عندالله نے ۱۹۷۳ء سے ہی بھارتی حکومت کے ساتھ مفاہمت کی لیے بات چیت شروع کر دی تھی۔ جس کا نتیجہ ۱۹۷۵ء کے اندرا عبداللہ معاہدہ کی صورت میں نکلا۔ جو تاریخ میں (کشمیر ایکارڑ) کے نام سے منسوب ہے۔ شیخ عبداللہ نے برسوں کی جدوجہد آزادی کو بالائے طاق رکھ کر کشمیر ایکارڑ یعنی اندرا عبداللہ معاہدہ قبول کیا۔اس نام نہاد ایکارڑ کی رو سے ریاست جموں و کشمیر کو ہندوستان کا جزو قرار دیا۔بھارت اور ریاست جموں و کشمیر کے تعلقات بھارتی آئین کے دفعہ ۳۷۰ کے تابع کر دیا گیا۔اس معاہدے کے بعد وادی کشمیر اسمبلی میں اس وقت کا نگرس کے ممبران نے شیخ عبداللہ کو قائد ایوان مقرر کیا۔اور آخر کار ۲۲ سال کی جدوجہد کے بعد وہ وزیر اعلیٰ بنا۔ جب کہ بھارت سرکار نے ۱۹۵۳ء میں شیخ عبداللہ کو گرفتار کیا تو اس وقت وہ ریاست جموں و کشمیر کے وزیر اعظم تھے۔ لیکن یہ ایکارڑ

شیخ عبداللہ کی خواہش کے مطابق ۱۹۵۳ء میں برطرفی سے قبل کا مرتبہ واپس نہیں لا سکا۔ جس کی وجہ سے انہیں دوسری مرتبہ وزیراعظم کی جگہ ریاست جموں وکشمیر کا وزیراعلیٰ بنادیا گیا۔

> ریشما اس انداز سے اپنے گردوپیش کو دیکھ رہی تھی گویا اس وقت زلزلہ ہو رہا ہو، گویا زمین آسمان کے ساتھ مل رہی ہو، قبرستان بن رہے ہو، اشوک آج خوشیاں منا رہا ہے اور محمود نے جب ریشما کے بارے میں اس کے باپ کا فیصلہ سنا تو اس نے اس فیصلہ کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔ ۳۴

یہاں پر ناول نگار اس بات کو واضح انداز میں بیان کر رہا ہے۔ کہ شیخ عبداللہ نے جب بھارت کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ تو اشوک یعنی بھارت اس معاہدہ پر جشن منا رہا تھا اور جب محمود یعنی پاکستان کا پتہ چلا کہ شیخ عبداللہ نے کشمیر کا معاہدہ ہندوستان کے ساتھ کیا ہے تو اس وقت پاکستان کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے وادی کشمیر کے مسئلے پر عالمی سطح پر توجہ مرکوز کرانے کے لیے آر پار پڑتال کی کال دی گئی ے تھی۔ یہ ہڑتال کی کال شیخ عبداللہ اوور مسز اندرا گاندھی کے درمیان سمجھوتے کے خلاف دی گئی تھی۔ اس پر سید علی گیلانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

> پاکستان کے اس وقت وزیراعظم مرحوم ذوالفقار علی بھٹو نے ایکارڑ کے خلاف جموں وکشمیر کی حدود میں عوام کی رائے جاننے کے لیے مکمل ہڑتا لکی اپیل کی۔ ان کی اپیل پر جموں کے مسلم علاقے اور بالخصوص وادی میں مثالی ہڑتال ہوئی اور لوگوں نے برملا طور ایکارڑ کے خلاف ناراضگی اور پسندیدگی کا مظاہرہ کیا۔ ۳۵

ریاست جموں وکشمیر کے اندرا عبداللہ ایکارڑ کے بارے میں ثناءاللہ بٹ نے یوں تبصرہ کیا ہے:

> شیخ محمد عبداللہ کے وزیراعلیٰ بننے پر پاکستان کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے کشمیری عوام سے اپیل کی کہ وہ اس سمجھوتے کے خلاف ۲۸ فروری ۱۹۷۵ء بروز جمعہ ہڑتال کریں، جو شیخ محمد عبداللہ اور ہندوستان کی وزیراعظم کے درمیان ہوا ہے چنانچہ ۲۸ فروری کو نہ صرف سرینگر بلکہ وادی کے تمام حصوں میں ایک ہمہ گیر احتجاجی ہڑتال ہوئی اور ساری وادی میں خوف و وحشت کا ساسماں پیدا ہو گیا۔ ۳۶

اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ عبداللہ کی ساری سیاست اقتدار کے لیے تھی۔ اور کشمیریوں کی بھلائی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اور شبنم قیوم نے واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ شیخ عبداللہ نے اپنے مفاد کے خاطر کشمیری عوام کو ایک آزاد ملک کا سبز باغ دکھا کر اپنے پیچھے لگائے رکھا اور مقبولیت کا فائدہ اٹھا کر وزیراعلیٰ بنا رہا۔ آخری وقت میں شیخ عبداللہ کے خلاف مظاہرے بھی ہوتے رہے۔ اس وقت پاکستان کی حکومت نے اقوام متحدہ کو باور کرایا کہ ریاست جموں وکشمیر کے

بارے میں اندرا عبداللہ ایکارڈ کوئی معنی رکھتا اور اقوام متحدہ میں کشمیری لوگوں سے کیے گیے حق خود اریت کی قرار دادوں پر عمل ہونا چاہیے۔

ناول نگار نے نہ صرف شیخ عبداللہ کی سیاسی پس منظر کو اجاگر کیا ہے بل کہ ان کے فرزند ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی دورِ اقتدار کے سیاسی نقطہ نظر کو بھی اپنے ناول کا موضوع بنایا۔ ناول نگار کے تجربات ومشاہدات گوناگوں ہیں۔ انھوں نے زندگی کی تلخی کو گھونٹ گھونٹ کر پیا ہے۔ یہی وجہ کہ ان کے ناول میں جابجا تلخ حقیقت نگاری نظر آتی ہے۔ اور کہیں کہیں یہ تلخی کی کاٹ ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ معاشرتی جبریت اور سیاسی آمیریت کی پس منظر میں لکھی گئی ہے۔ اس ناول میں ان کی یہ خوبی نمایاں طور پر سامنے آتی ہے۔ اس سے انھوں نے بھارتی حکومتوں کے سازشوں اور ریاست جموں وکشمیر کی کٹھ پتلی حکومتوں کے رویوں کو سامنے لانے کی بھر پور کاشش کی ہے۔ شیخ عبداللہ کے بعد ان کا فرزند ڈاکٹر فاروق عبداللہ ریاست جموں وکشمیر کا وزیر اعلیٰ بنا۔ اس کے دور میں بھی وادی کشمیر میں پر تشدد واقعات میں شدید اضافہ ہو گیا۔ شیخ عبداللہ کے صاحبزادے فاروق کی حکومت بھی بھارتی حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے وادی کشمیر میں بڑی بے دردی سے انسانی زندگیوں کے ساتھ کھلواڑ کر رہی تھی۔ ۱۹۸۷ء میں ریاست جموں وکشمیر میں جب الیکشن ہوئے تو نیشنل کانفرنس اور کانگریس نے اتحاد کر لیا۔ ۳۷ تو دوسری طرف مسلم متحدہ محاز کا اتحاد ہوا۔ اس الیکشن میں بھارتی حکمرانوں نے زبردست دھندلی کی اور اس کے خلاف احتجاج میں شدت بڑھ گئی اور مسلح جدوجہد کا نیا باب شروع ہو گیا:

> ریشما کے حمایتی جوانوں نے انتخابی عمل پر ڈاکہ ڈالنے کا بدلہ لینے کے لیے محمود سے مدد مانگی چناچن نچہ محمود کی بھرپور کاشش اور حمایت ملتے ہی ریشما نے بغاوت کا پرچم بلند کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے فاروق کو اپنے تمام ساتھیوں کے ہمراہ وہ فرار اختیار کرناپڑا۔ البتہ ریشما کی یہ مسلح بغاوت اشوک نے ایک چلینج کے شور پر قبول کر لی۔ ۳۸

ناول نگار نے واضح طور پر یہ بارو کرانے کی واشش کی ہے کہ بھارت سرکار اپنی مرضی سے ریاست جموں وکشمیر میں حکمران منتخب کرتے ہیں۔ اور احکامات ہندوستان مرکز سے فراہم کئے جاتے ہیں۔ ۱۹۸۷ء کے الیکشن کے بعد وادی کشمیر میں ہر سطح پر اضطرابی کیفیات و بے چینی نے جنم لیا۔ ۳۹ تو وادی کشمیر کے جوانوں نے اس بات کو چلینج کے طور پر لیا طاقت کا جواب طاقت سے دینے کے لیے عسکری دور کا آغاز کیا۔ ناول نگار کے مطابق غلام قوم نے آزادی کا مطالبہ کیا تو اس کو قابض مگر طاقتور ملک نے چلینج کے طور پر لیا۔ اور وادی کشمیر کی تحریک آزادی کو کچل کر رکھ دینے کا فیصلہ لے کر بھارت سرکار نے فوج اور فورسز کو جدید ہتھیاروں سے لیس کر کے بھیجا گیا۔ بھارتی فوج نے وادی کشمیر میں قتل وغارت، لوٹ مار

،خواتین کی بے حرمتی کا حربہ استعمال کیا۔اس کے ساتھ ساتھ گھر جلائے گئے ،بستیاں اجاڑ دی گئیں ،ناجوان نسل کو جیلوں میں بھر کر سڑایا گیا، ہزاروں کی تعداد میں ان کو لا پتہ کیا گیا،خواتین کو بیوہ اور بچوں کو یتیم بنایا گیا۔ قہر و غضب ، تشدد ، توڑ پھوڑ کا ایک سلسلہ جاری کیا گیا:

> ریشما سوچ رہی تھی ۱۹۵۷ء میں سال کی جدوجہد آزادی کو آوارہ گردی کا نام دے کر حکومت سازی کے لیے اس کے باپ نے جو ایکارڑ نام کا شرم ناک فیصلہ کر لیا تھا۔ آج ۱۹۹۲ء میں اس کے بیٹے نے حکومت سازی کا فیصلہ لے کر شرم ناک کے ساتھ عبرت ناک فیصلہ لیا۔ [۴۰]

اس سے یہ بات صاف عیاں ہے کہ ہندوستان کی سرکاریں شروع سے لے کر آج تک کشمیری عوام پر جو قہر کر رہی ہیں۔ قتل وغارت، لوٹ مار، آتش زنی اور آبروریزی کے ساتھ ساتھ قید و بند کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ یہ سب کچھ ایک آزاد قوم کو غلام بنانے کی کاروائی ہے۔ ناول نگار نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ اس کام کو بروئے کار لانے کے لیے ہندوستان کے سیاستدانوں اور حکمرانوں نے ریاست جموں وکشمیر کے ایک عوامی رہنما کو اپنے اعتماد میں لے کر اپنا وفادار دوست بنایا تھا۔ اور ہندوستان کے اس وفادار دوست نے کشمیری قوم کے ساتھ جس دشمنی کی بنیاد ڈالی۔ اس دشمنی کو انھوں نے اپنے جانشین کو وراثت کے طور پر منتقل کیا۔ ناوک نگار نے بے باک ہو کر مقامی حکمرانوں کو بے نقاب کیا ہے۔ وادی کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے کشمیریوں کے ساتھ جو کچھ کیا جارہا ہے یہ سب وہ جانتے ہے یہ جاننے کے باوجود بھی اقتدار اور جاہ و حشمت نے انہیں اس قدر بے حس بنادیا ہے کہ وہ کشمیریوں کے لیے کشمیری بننے کے بجائے ہندوستانیوں کے لیے ہندوستانی بن کر رہنے میں یقین رکھتے ہیں:

> اشوک ہماری اقتدار کی چاہت کی کمزوری کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے اور بار بار ہمیں بے وقعت اور بے عزت کرتا ہے۔ [۴۱]

مذکورہ بالا بحث سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی ہے کہ ایک تخلیق کار جو معاشرے کا حساس فرد ہوتا ہے۔ اس لیے وہ معاشرے میں رونما ہونے والے حالات و واقعات سے عام لوگوں کے نسبت زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ اور اپنے جذبات و احساسات کو تحریری صورت میں صفحہ قرطاس پر اتارتا ہے۔ پس ریاست جموں وکشمیر میں بھی گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والی سیاسی صورت حال نے شبنم قیوم کو بھی بیت متاثر کیا۔ جس کی وجہ سے انھوں نے یہ ناول تخلیق کیا ہے۔ ام میں ناول نگار نے ڈوگرہ دور کے بیع نامہ امرتسر سے لے کر شیخ عبداللہ کے الحاق ہندوستان تک اور اس کے علاوہ موجودہ صورت حال

کو موضوع بحث بنایا ہے۔اس باب میں شروع سے آخر تک ناول اور کشمیر کی تاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ صاف عیاں ہوا ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کے سادہ لو عوام کو شروع سے لے کر آخر تک جس نے جب چاہا جس طرح چاہا اپنی مرضی سے ادھر ہی اس کا منہ موڑا۔ پھر چاہیئے طاقت کے بل پر ہو یا اقتدار کے حرص ولالچ میں۔ زیرِ نظر ناول کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ریاست جموں وکشمیر پہلے ڈوگرہ سامراج کی ہوس ولالچ سے غیر منصفانہ صورت حال کا شکار ہوا۔اور اس کے بعد ادوار میں ہندو سامراج نے ریاست جموں وکشمیر کے گرد اپنی سازشوں کا جال اس طرح بچھایا کی وہاں کے عوام کی زندگی ہر مصیبت وآزمائش کا شکار ہو گئی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کی بھارتی حکمرانوں نے ریاست جموں وکشمیر پر جبری قبضہ کر لیا ہے۔اور اس کے ساتھ الحاق کے بارے میں رائے جاننے یعنی "رائے شماری" کرانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ چوں کہ رائے شماری کرانے کی نیت صاف نہیں تھی۔ بل کہ ریاست جموں وکشمیر کو اپنے ملک ہندوستان کے ساتھ ضم کرانے کے ارادے تھے۔ شبنم قیوم نے ناول میں شیخ عبداللہ کا ذکر کافی تفصیل سے کیا ہے۔ ۱۹۳۱۔ ۱۹۸۲ء تک شیخ عبداللہ کشمیر کی سیاست کے ہر موڑ پر نظر آتے ہیں۔ ۲۴؎ ریاست جموں وکشمیر کے لوگ آج جن مسائل ومشکلات سے گزر رہے ہیں، اس میں تقسیم ہند سے پہلے اور بعد میں شیخ محمد عبداللہ کا جو کردار رہا ہے اس میں وہ ہیرو سے زیادہ ولن نظر آتے ہیں۔ شیخ محمد عبداللہ کو پنڈت جواہر لعل نہرو کی دوست کے حیثیت سے جانتے ہیں نہرو نے انہیں کشمیر کا وزیر اعظم بنادیا۔ بعد میں ان پر الزام لگا کر طویل عرصہ جیل میں بھی رکھا۔ ہندوستان کے حکمرانوں کو ریاست میں کام کو بروئے کار لانے کے لیے مقامی سیاستدانوں کو بنانا پڑتا تھا۔ اس لیے بھارت سرکار نے وادی کشمیر کے ایک عوامی رہنما کو اپنے اعتماد میں لے کر اپنا وفادار دوست بنایا۔ جس کی وجہ سے شیخ عبداللہ نے اپنے اقتدار کے خاطر کشمیریوں کو پنڈت جواہر لعل نہرو کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔

حوالہ جات

۱۔ شبنم قیوم،آزادی کی تلاش،(سرینگر:وقار کیشنز،۲۰۱۵ء)،ص۶۔

۲۔ شبنم قیوم،یہ کس کا لہو ہے کون مرا(ساتواں ایڈیشن)،(دہلی:آفیست پرنٹرس،۲۰۰۲ء)،ص۸۔

۳۔ ایضاً،ص۱۲۔

۴۔ ایضاً،ص۱۳۔

۵۔ شبنم قیوم،پچھتاوا،(سرینگر:میزان سروسز،۲۰۱۵ء)،ص۱۶۔

۶۔ شیخ محمد عبداللہ،آتش چنار (پہلاایڈیشن)،(سرینگر:علی محمد اینڈ سنز،۱۹۸۶ء)،ص۱۱۔

۷۔ ایضاً،ص۴۷۔

۸۔ شبنم قیوم،یہ کس کا لہو ہے کون مرا،ص۴۔

۹۔ ایضاً،ص۱۶۔

۱۰۔ ایضاً،ص۱۹۔

۱۱۔ شبنم قیوم،کشمیر کا سیاسی انقلاب(جلددوم)،(دہلی:آفیسٹ پرنٹرس،۱۹۹۴ء)،ص۳۱۲۔

۱۲۔ ثناءاللہ بٹ،کشمیر ۱۹۴۷ءسے ۱۹۷۷ء تک،(سرینگر:گاؤکدل،۲۰۱۶ء)،ص۳۳۔

۱۳۔ سردار محمد عبدالقیوم خان،مقدمہ کشمیر،(لاہور:شرکت پرنٹنگ پرس،۲۰۱۱ء)،ص۳۳۔

۱۴۔ اعجاز حسین(Ijaz, Hussain)، *Kashmir Dispute An International Prespective*(پاکستان: قاعداعظم یونی ورسٹی،۱۹۹۸ء)،ص۹۔

۱۵۔جوزف کاربل(Josef, Korbel)،*Danger in Kashmir*،(نیو یارک:آکسفورڈیو نی ور سٹی پر س ،۱۹۵۴ء)،ص۳۱۳۔

۱۶۔شبنم قیوم،کشمیر کا سیاسی انقلاب،ص۳۱۲۔

۱۷۔شبنم قیوم،یہ کس کا لہو ہے کون مرا،ص۲۰۔

۱۸۔ایضاً،ص۲۶۔

۱۹۔ثناءاللہ بٹ،کشمیر ۱۹۴۷ءسے ۱۹۷۷ءتک،ص۵۳۔

۲۰۔شبنم قیوم،یہ کس کا لہو ہے کون مرا،ص۳۲۔

۲۱۔ثناءاللہ بٹ،کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ءتک،ص۵۳۔۵۴۔

۲۲۔شبنم قیوم،یہ کس کا لہو ہے کون مرا،ص۳۳۔

۲۳۔ایضاً،ص۳۶۔

۲۴۔ایضاً،ص۳۹۔

۲۵۔خواجہ محمد بشیر بٹ،جموں و کشمیر کی درد ناک تصویر،(لاہور:حنیف پرنٹرز،۲۰۱۶ء)،ص۱۷۴۔

۲۶۔شیخ محمد عبداللہ،آتش چنار،ص۲۲۷۔۲۲۸۔

۲۷۔شبنم قیوم،یہ کس کا لہو ہے کون مرا،ص۴۰۔

۲۸۔شبنم قیوم،کشمیر کا سیاسی انقلاب،ص۲۲۱۔۲۲۲۔

۲۹۔شبنم قیوم،یہ کس کا لہو ہے کون مرا،ص۵۲۔۵۳۔

۳۰۔ایضاً،ص۵۳۔۵۴۔

۳۱۔ایضاً،ص۸۹۔۹۰۔

۳۲۔ ایضاً، ص ۱۱۰۔

۳۳۔ ثناءاللہ بٹ، کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک، ص ۱۹۸۔

۳۴۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا، ص ۱۲۲۔

۳۵۔ سید علی گیلانی، ولر کنارے (جلد دوم)، (سرینگر: ملت پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ص ۱۸۲۔

۳۶۔ ثناءاللہ بٹ، کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک، ص ۲۱۸۔

۳۷۔ سید علی گیلانی، ولر کنارے، ص ۳۸۱۔

۳۸۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا، ص ۱۴۸۔۱۴۹۔

۴۰۔ ایضاً، ص ۱۵۱۔

۴۱۔ ایضاً، ص ۱۵۷۔

۴۲۔ شبنم قیوم، کشمیر کا سیاسی انقلاب (جلد پانچ)، ص ۳۱۔

باب سوم:

شبنم قیوم کے ناول یہ کس کا لہو ہے کون مرا میں تاریخی واقعات کا تجزیاتی مطالعہ

اس باب میں شبنم قیوم کے ناول "یہ کس کا لہو ہے کون مرا" میں تاریخی واقعات کی پیش کش کا جائزہ بیان کردہ تاریخی حوالوں کے ذریعے لیا جائے گا۔ کہ شبنم قیوم نے وادی کشمیر کے تاریخی واقعات کو اپنے ناول میں کس طرح بیان کیا ہے۔

جموں وکشمیر ہمیشہ سے علمی، ادبی تہذیبی اور ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز رہی ہے۔ اس وادی گلپوش نے بڑے بڑے ادیبوں، فنکاروں، قلمکاروں، دانشوروں اور تخلیق کاروں کو پیدا کیا۔ جنھوں نے اپنے اپنے میدان میں بہترین کارہائے انجام دئے۔ بالخصوص اگر وادی کے ادب شناس لوگوں پر نظر ڈالی جائے تو اردو ادب میں ان کی گراں قدر خدمت ہیں۔ جن کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ چاہیے وہ شاعری کا میدان ہو یا نثر کا دونوں میدانوں میں انھوں نے اپنی فنکاری کا لوہا منوایا ہے۔

ادب ایک ایسا سمندر ہے جس میں دنیا جہاں کے خیالات کے دریا ضم ہو جاتے ہیں۔ ادب اپنے ماحول اور زمانے کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں کوئی ادب فطرتاً اپنے ماحول سے بے گانہ نہیں ہو سکتا۔ ہر ادیب، مصنف اور شاعر بالواسطہ یا بلاواسطہ اپنے ماحول سے متاثر ہوتا ہے اور سماج کے جس طبقے سے اس کا تعلق ہوتا ہے اس طبقے کی حمایت کرتا ہے۔ ادب زندگی کا ترجمان ہوتا ہے۔ اس لیے ادب میں سیاسی، سماجی، معاشرتی، مذہبی اور تاریخی پہلو کا ہونا لازمی ہے۔ کوئی بھی تخلیق کار اپنے ارد گرد کے حالات، واقعات اور حادثات سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ اور پھر جب حالات و واقعات کی ایسی شدت ہو کہ زندگی کا کوئی بھی شعبہ یا فرد متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکے تو تخلیق کار کا قلم بھی حالات و واقعات کے ہی گرد گھومتا ہے۔

تاریخ میں حالات و واقعات کا ایک عظیم سلسلہ ہوتا ہے لیکن تاریخی واقعات ایک ہی مسلک سے مضبوطی سے پروئے نہیں جاتے بل کہ واقعات اپنے آس پاس کے دوسرے واقعات کے ساتھ ہم رشتہ ہوتے ہیں، ان کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے، ان کے درجات کا تعین کرتا ہے اور ان کی باہمی رشتوں کی تلاش و جستجو کرتا ہے۔ تاریخی واقعات تغیر پذیر ہوتے ہیں اور دنیاوی حالات کے نشیب و فراز کے مرہون منت بھی۔ مورخ ان واقعات کی حدود کا تعین اپنی قوت مشاہدہ، فکری محرکات اور انداز بیان کی سحر کاری سے کرتا ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ماضی کے ان کارناموں کی تلاش اور تجزیہ کرے جس کی روشنی میں حال کو تقویت پہنچتی ہو۔ اس لیے کہ انسان اپنے زمانے کے نامساعد حالات اور سماجی و معاشرتی نشیب و فراز سے اس قدر دل شکستہ ہوتا ہے کہ وہ نئی روشنی اور نئے ماحول کا متلاشی ہوتا ہے۔ اور ایسی فضا اس سے ماضی کے دھندلکے میں نصیب ہوتی ہے۔

اردو ادب میں ناول کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہ صنف ادب برائے زندگی کی ترجمانی کرتی ہے۔ جب بھی کوئی ناول نویس ناول لکھتا ہے تو وہ کوئی نئی دنیا اپنی خواہش کے مطابق نہیں بتاتا بل کہ اسی سماج میں بدلتے ہوئے حالات و واقعات کو بیان کرتا ہے۔ شبنم قیوم نے بھی وادی کشمیر کے تاریخی واقعات کو بڑے ہی موثر انداز میں یہ کس کا لہو ہے کون مرا میں بیان کیا ہے۔ انھوں نے وادی کشمیر کی تاریخ کو ناول کی کہانیوں اور کرداروں میں محفوظ کیا ہے۔ اس ناول میں سیاسی، سماجی مسائل کے ساتھ ساتھ تاریخی واقعات بھی جلوہ گر ہوئے ہیں۔ وادی گلپوش جس کا مقدر شروع سے ہی ظلم و تشدد رہا ہے۔ لیکن آخر کار ہر ظلم و تشدد کے اندر سے احتجاج و بغاوت کی چنگاریاں بھی پھوٹتی ہیں۔ جب ڈوگرہ حکمرانوں نے طاقت کے بل بوتے پر کشمیریوں کو کچل دینے کی کوشش کی تو ان کے دلوں میں حکمرانوں کے خلاف نفرت مذید شدت اختیار کر گئی۔ اس نفرت کا اظہار وہ وقتاً فوقتاً کرتے رہے اور ڈوگرہ سپاہیوں کی گولیوں کا نشانہ بنتے رہے:

> صیاد نے ریشما کو بیعہ نامہ امرتسر کے تحت سستے داموں خرید کر پنجرے میں بند کر کے رکھ دیا۔ اس پنجرے میں اپنے آپ کو دیکھ کر وہ اکثر آہیں بھرتی رہتی ہے۔۔۔ وہ آزاد فضاؤں میں اڑنے کے لیے پر پھڑا پھڑانے کی کوشش کرتی ہے۔ تو اس کے پر کاٹ دیے جاتے ہیں۔ وہ پنجرے کی جالی سے باہر نکلنے کی کوشش کرتی ہے تو اس کی گردن ہی پھنس کر رہ جاتی ہے۔[1]

انگریزوں اور ڈوگرہ عہد میں وادی کشمیر میں جو صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ ناول نگار نے اس حقیقی تاریخی واقعات کی عکاسی اتنے بھرپور انداز میں کی ہے۔ کہ پورا آسمان آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے اور قاری پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ حالات و واقعات بالکل آنکھوں کے سامنے پھیرنے لگتے ہیں۔ ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کو انگریزوں نے ایک ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ کے ہاتھوں ۷۵ لاکھ کے عوض کر دیا تھا۔[2] اس بدنام زمانہ معاہدے کت تحت پوری ریاست جموں و کشمیر اور ارد گرد کے علاقے اپنی پوری آبادی اور مال و اسباب سمیت ہندو ڈوگرہ گلاب سنگھ کے حوالے کر دئے گئے۔ اس معاہدے کو "بیعہ نامہ امرتسر" کہا جاتا ہے۔ اس معاہدے کی رو سے کشمیریوں کو صرف چند سکوں کے عوض ڈوگروں کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔ نیز یہ کہ ریاست جموں و کشمیر کے وسائل کو بھی ڈوگروں کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس معاہدے میں کشمیریوں کی حثیت اور حقوق کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے ڈوگروں نے کشمیری مسلمانوں پر ظلم و ستم کا بازار گرم کرر کھا۔ ڈوگرہ دور میں مہاراجہ گلاب سنگھ کی ہوس و لالچ کے سامنے کشمیری مسلمانوں کی حثیت نہ تھی۔ ان بے بس و رلاچار مسلمانوں پر ٹیکسوں کا اس قدر بوجھ ڈالا گیا تھا کہ تمام پیداوار اور آمدنی حکومت کو ٹیکس کی صورت میں ادا کر دینے کے باوجود یہ مظلوم ٹیکس مکمل طور پر ادا نہیں کر پا رہے تھے۔ وادی کشمیر میں رونما ہونے

والے تاریخی واقعات و حادثات پر بڑی مہارت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ کشمیری عوام ڈوگرہ حکمرانوں کے خلاف تحریک شروع کی اور مطالبہ کیا کہ وہ کشمیر سے نکل جائیں۔ کیوں کہ معاہدہ امرتسر ایک غیر اخلاقی اور غیر قانونی معاہدہ تھا جس کو کسی صورت بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے:

> ۱۹۳۱ء میں تحریک میں شامل ہوا اور خلوص دل سے اس تحریک کو آگے بڑھانے لگا۔۳

شبنم قیوم نے ناول میں اس تاریخی المیے کا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ۱۹۳۱ء کا سال وادی کشمیر کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس واقعہ نے پورے کشمیر کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ ۲۱ جون ۱۹۳۱ء کو سرینگر میں ایک بہت بڑا احتجاجی جلسہ منعقد ہوا۔۴ اس جلسے کے دوران ایک شخص عبدالقدیر کو ڈوگرہ مہاراجہ کے خلاف بغاوت کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے خلاف قائم کئے گئے مقدمے کی سماعت کے دوران ڈوگرہ فوج نے گولیاں برسائیں اور سترہ مسلمان موقعے پر ہی شہید ہوئے۔ اس تاریخی واقعے کے حوالے سے خواجہ بشیر بٹ کا کہنا ہے:

> ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو انھوں نے اندھا دھند فائرنگ شروع کی۔ جس میں ۱۸۰ راؤنڈ فائر کئے گئے۔ ۱۷ مسلمان شہید ہوئے اور ۴۰ شدید زخمی ہوئے۔۵

۱۳ جولائی ڈوگرہ فوج نے کشمیریوں پر اندھا دھند گولیاں چلا کر ۱۷ معصوموں کو جن بحق کر دیا۔ یہ تاریخی واقع واقعی میں ایک تلخ یاد ہے جو کشمیر کی تاریخ میں کبھی مسخ نہیں ہو سکتا ہے۔ شبنم قیوم اس تاریخی واقعے کے حوالے سے کشمیر کا سیاسی انقلاب میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء میں گورنر نے ہجوم پر گولی چلانے کا حکم دے دیا۔ پولیس جو گھات لگا کر بیٹھی تھی۔ اندھا دھند گولیاں برسانے لگی۔ آن کی آن میں گولیوں کی بارش ہوگئی، جیل کے گیٹ سے باہر ۱۷ آدمی ڈھیر ہو گئے۔ پانچ شدید زخمی ہو گئے جو فوری طور پر طبّی امداد نہ ملنے کی وجہ سے شہیدوں میں شامل ہو گئے۔۶

ڈوگرہ فوج کی طرف سے نہتے اور معصوم لوگوں پر اس سفاکانہ فائرنگ کی گونج جموں و کشمیر کے کونے کونے تک پہنچی۔ ۱۳ جولائی شہیدوں کا یہ خون اک عظیم سیاسی تحریک کی بنیاد بن گیا۔ جس پر جموں و کشمیر کی مسلم کانفرنس کی عمارت کھڑی کی گئی۔ مسلم کانفرنس میں کشمیر کے تقریباً سبھی سرکردہ افراد شامل تھے۔ ان میں میر واعظ مولوی محمد یوسف اور شیخ محمد عبداللہ خاص طور پر قابلِ ذکر تھے۔ بعد ازاں شیخ محمد عبداللہ اور چودھری غلام عباس نے آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۴۶ء میں شیخ محمد عبداللہ نے ڈوگرہ حکمرانوں کے خلاف "کشمیر چھوڑ دو، بیعنامہ امرتسر توڑ دو" کا مطالبہ

کیا۔ ۷ شبنم قیوم اس ناول میں کہانی کو پس پشت ڈال کر تاریخی واقعات بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جس کا مقصد لوگوں کو کشمیر کی سیاسی منظر نامے سے واقف کرنا ہے:

> ۱۱ جون ۱۹۳۹ء کو اپنے قریبی ساتھیوں کی زبردست مخالفت کے باوجود ۔۔۔ مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدل دیا۔ ویسے مسلم کانفرنس کو نیشنل میں بدلنے میں پنڈت جواہر لعل نہرو کے ساتھ ساتھ پریم ناتھ بزاز کا بھی ہاتھ رہا ہے۔ ۸

وادی کشمیر میں مسلمانوں کی سیاسی بصیرت اور باہمی اتحاد سے پریشان ہو کر گاندھی اور پنڈت جواہر لعل نہرو جیسے ہندو لیڈر اس اتفاق و اتحاد کا شیرازہ بکھرنے پر کمربستہ ہو گئے۔ ان متعصب ہندو لیڈروں کو اپنی سازشوں میں کامیابی حاصل ہوئی اور وہ شیخ عبداللہ کو ورغلانے میں کامیاب ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں ۱۹۳۹ء میں شیخ عبداللہ نے آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کو ختم کر کے آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے قیام کا اعلان کر دیا۔ ۹ اس حوالے سے محمد بشیر بٹ لکھتے ہیں:

> ۱۹۳۹ء کو مسلم کانفرنس کے مکمل اجلاس میں جماعت کا نام نیشنل کانفرنس رکھنے کی قرارداد منظور کی گئی ۔۔۔ مسلم کانفرنس کا نام اور آئین تبدیل کر کے اس سے آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس رکھا گیا۔ ۱۰

شبنم قیوم نے ناول میں وادی کشمیر کے تاریخی واقعات اور حقائق کو نہایت دیانتداری اور غیر جانبداری کے ساتھ قلم بند کیا ہے اور تاریخ کے ان لمحات اور حالات واقعات کو قید کیا ہے۔ جن سے ہر کشمیری واقف ہے تقسیم کا سانحہ برصغیر کی تاریخ میں ایک ایسا المیہ ہے جس کے دل دوز یادوں کا شکنجہ آنے والی نسلوں کو صدیوں تک کو ستا رہے گا۔ برصغیر کی تقسیم کے واقعات اگرچہ پوری دنیا کی تاریخ میں انسانیت سوز واقعات کے لیے یاد رکھیں جائیں کے تاہم پاک و ہند دونوں ممالک میں کئی نہ کئی اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ مگر اس بدنصیب ریاست جموں و کشمیر کی تاریخ دور نہ ہو سکی:

> ۱۹۴۷ء میں بھارت کے ساتھ الحاق کیا، مجھے اس بات پر سخت حیرت ہوئی جب ۱۹۴۷ء میں ریاست کے الحاق کو پنڈت جواہر لعل نہرو نے رائے شماری کے تابع رکھ دیا۔ جب کہ پنڈت جی تقسیم سے پہلے ہی ریاست کا الحاق بھارت کے ساتھ کرانے کے لیے مہاراجہ ہری سنگھ پر زور ڈال رہے تھے۔ ۱۱

ناول نگار نے ایک حقیقی تاریخی واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ جب برصغیر تقسیم ہو رہا تھا تو اس کی بنیاد دو قومی نظریہ پر رکھی گئی تھی۔ اس تقسیم میں ہندو اکثریتی علاقے بھارت اور مسلم اکثریتی علاقے پاکستان میں شامل ہونے کا عندیہ دیا گیا۔ اس کے متعلق اعجاز حسین ہوں لکھتے ہیں:

> The basis of the Partition of the Britsih Indian Empire into two independent , sovereign states of India and Pakistan in 1947 was that the Muslim majority areas would constitute Pakistan and the non –muslim majority areas India.۱۲؎

اس سے واضح یہ بات ہو جاتی ہے کہ تقسیم کے وقت ریاست جموں و کشمیر کو بھی یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کرے یا اپنی شناخت برقرار رکھے۔

چوں کہ برصغیر کی تقسیم کے وقت ریاست جموں و کشمیر ایک آزاد ریاست کے طور پر ڈوگرہ شاہی کی کمان میں تھی۔ مہاراجہ ہری سنگھ کشمیری عوام کی رائے سے بخوبی واقف تھا کہ وادی کشمیر کے لوگ پاکستان کے ساتھ الحق کرنا چاہتے تھے ۔نیز وہ بھی جانتا تھا کہ جغرافیائی اعتبار سے بھی کشمیر کا تعلق پاکستان سے ہی بنتا ہے۔ لیکن ہندوستان کی وجہ سے ہری سنگھ ریاست کا الحاق پاکستان سے کرنے پر تیار نہ تھا۔اسی دوران قبائل کشمیر میں داخل ہوئے۔اس نے ایک نئی صورت حال کو جنم دیا۔مہاراجہ ہری سنگھ نے بھارت سے فوجی مدد چاہتے ہوئے وادی کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کی دستاویز پر دستخطکر دیے۔تاہم یہ الحاق عارضی تھا کہ جیسے ہی حالات معمول پر آئیں گے کشمیر میں رائے شماری ہو گئی۔اس کے بعد ہندوستان نے اپنی فوجیں کشمیر میں داخل کر دی۔ جس کے نتیجے میں کشمیر دو حصوں میں بٹ گیا۔اسی دوران پنڈت جواہر لعل نہرو اس معاملے کو فوری طور پر اقوام متحدہ میں لے گئے۔اور وہاں جنگ بندی کی درخواست بھی کی تھی۔اس امر کا عہد کیا تھا کہ ریاست جموں و کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کشمیری عوام یعنی رائے شماری کرانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ کہ وادی کشمیر رائے شماری کے زریعے اپنا فیصلہ کریں گے۔ کہ وہ بھارت یا پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ ثناءاللہ بٹ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> جولائی ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہند و پاکستان نے دونوں ملکوں کی حکومتوں کو جموں و کشمیر میں جنگ بندی اور اس تنازعے کے تصفیے کے بارے میں اپنی تجاویز پیش کیں، جنہیں دونوں ممالک نے قبول کر لیا۔اس کے چند ہفتے بعد یعنی ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو گورنر جنرل پاکستان مسٹر محمد علی جناح انتقال کر گئے اور کچھ روز بعد ہی ہندوستان کی فوج حیدرآباد میں داخل ہو گئی۔۱۳؎

برصغیر کی تقسیم کے وقت داوی کشمیر میں جو صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ ناول نگار نے ان حالات و واقعات کو بڑی خوبصورتی اور فنکاری کے ساتھ پیش کیا ہے۔اور کشمیر کے ایک تاریک مگر نازک دور کو لفظوں میں محفوظ کیا۔ وادی

کشمیر میں ابھی ڈوگروں کا دور ختم نہیں ہوا تھا تو ساتھ ہی نئے مظالم کا زمانہ شروع ہوا۔ وادی کشمیر کے عوام نے صدیوں کے بعد آزادی کا جو خواب دیکھا تھا وہ خواب محض ایک خواب ہی رہ گیا:

> ۱۹اگست ۱۹۵۳ء کے واقعہ اور اسمبلی کے اندر اور باہر کے شرمناک واقعات سے موجودہ حکومت اور اسمبلی اپنے ممبران اعتماد کھو چکی ہے اور اب عوام کو ارا کین پر سیاسی اسرا قتصادی امور کے بارے میں ذرا بھر بھی بھروسہ نہیں۔۱۴

۱۹۵۳ء میں پنڈت جوہر لعل نہرو نے شیخ عبداللہ پر ریاست جموں و کشمیر کو ہندوستان سے الگ کرنے کی سازش کا الزام لگا کر برطرف کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔۱۵ شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری سے کشمیری عوام میں سخت غم و غصہ پایا جا رہا تھا اور انھوں نے سڑکوں پر نکل کر احتجاج کرنا شروع کر دیا۔ وادی کشمیر کے کئی مقامات پر احتجاج کرنے والے مظاہرین پر فائرنگ سے اَن گنت لوگ مارے گئے۔ شبنم قیوم کشمیر کا سیاسی انقلاب' یں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اگست ۱۹۵۳ء کے واقعہ نے شیخ محمد عبداللہ کو زیرو سے ہیرو بنا دیا۔ کیوں کہ ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۳ء تک ان کا دور حکمرانی ڈوگرہ راج سے بھی بدتر ثابت ہوا تھا۔ ان کے بارے میں عوام کی رائے اور خیالات ایک طرح سے مسترد ہو چکے تھے۔ اس لحاظ سے ۱۹۵۳ء کا واقعہ ان کے حق میں رحمت ثابت ہوا، یہ دوسری بات ہے کہ جن کے خاطر انھوں نے۔۔۔ عوام سے دھوکہ کیا تھا انہی کے ہاتھوں وہ خود بھی دھوکہ کھا گیا۔۱۶

یہ سانحہ جب شیخ عبداللہ کے ساتھ پیش آیا تھا اس سانحہ نے شیخ عبداللہ کو لوگوں کے نظروں میں میں مہان بنا دیا ۔اسی چیز کا فائدہ اُٹھا کر شیخ عبداللہ کشمیریوں کے ساتھ دھوکہ دے کر خود اندر سے ہندستان کے ساتھ الحاق کا ساز باز کر رہے تھے۔ لیکن پنڈت جوہر لعل نہرو جن کو وہ اپنا وفادار دوست مانتے تھے جن کے خاطر شیخ عبداللہ کشمیر کے سادہ لوح عوام کے ساتھ دھوکہ کر رہے تھے انہی کے ہاتھوں خود دھوکہ کھا گئے۔ ثناء اللہ بٹ شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے بارے یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

> گلمرگ میں شیخ عبداللہ کی قیام گاہ کے آس پاس اور ارد گرد نواح میں مسلح پولیس کی بھاری تعداد متعین کر دی گئی اور وزیر اعظم کی برطرفی اور ان کی گرفتاری کے احکامات انھیں ۱۹اگست ۱۹۵۳ء کی صبح کا سورج طلوع ہونے سے تھوڑی دیر پہلے گلمرگ سے ایک گاڑی میں بٹھا کر سیدھا کدہ پہنچا یا گیا۔۔۔ان کی گرفتاری

سے سارے کشمیر میں غم و غصہ اور احتجاج کی لہر دوڑ گئی۔۔۔ گیارہ دن تک ساری وادی میں مکمل ہڑتال رہی۔۱۷

ناول کے تاریخی واقعات کا جائزہ لینے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ناول نگار نے تاریخی اور واقعاتی صداقت سے پلاٹ کا اس طرح تانا بانا تیار کیا ہے کہ تاریخ ناول اور ناول تاریخ بن گیا ہے۔ اس ناول میں بیاکیے گئے بہت سے واقعات ایسے ہیں جن کی بازگشت اخباروں اور کشمیر کی تاریخ پر لکھی گئی کتابوں میں سنائی دیتی ہے۔ ناول نگار نے یہ باور کرایا ہے کہ وادی کشمیر کے کٹھ پتلی حکمرانوں کو کس طرح اقتدار اور مراعات نے بے حس کر دیا کہ وہ کشمیری بننے کے بجائے ہندوستان بن کر یقین رکھتے ہیں۔ وادی کشمیر میں جنگ بندی کے بعد حالات کچھ پُر سکون ہو گئے تھے۔ ۱۹۵۳ء تک شیخ محمد عبداللہ کو وزیر اعظم کے عہدے سے ہٹانے کے بعد غلام محمد بخشی وزیر اعظم بنے۔۱۸ اس دور میں ایک واقع ایسا پیش آیا کہ وہ وادی کے لوگوں کو صبر کا لبریز ہو گیا:

> اٹھائیس دسمبر ۱۹۶۳ء کو جب صبح سویرے ریشما نیند سے جاگی تو اس نے سویرے تاریکی ہی تاریکی دیکھی، روشنی کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ آسمان رع رہا تھا، زمین لرز رہی تھی، ہر جانب گریہ زاری، آہ وزاری اور الامان الامان کی آوازیں آرہی تھیں۔۱۹

ناول نگار نے واضح الفاظ میں ایک تاریخی واقعے کو بیان کیا ہے۔ جو وادی کشمیر میں ۲۶/۲۷ دسمبر ۱۹۶۳ء کی رات کو ایک ایسا واقع رونما ہوا جس نے ریاست جموں و کشمیر میں ہی نہیں بل کہ پورے ہندوستان کی سیاست میں طوفان برپا کر دیا۔ یہ واقعہ سرینگر حضرت بل کی درگاہ میں پیش آیا۔ وہاں سے موئے مقدس ؐ کی چوری کر دی گئی۔ جس سے مسلمان بڑا مقدس سمجھتے ہیں۔ اس سانحہ کی خبر پھیلتے ہی پوری وادی میں سراپا احتجاج بن گئی۔ کشمیریوں نے یہ موئے مقدس کی بازیابی تک دن رات جاری رکھا۔ شبنم قیوم گذشتہ دہائیوں میں وادی کشمیر کی تاریخ میں گزرے ایسے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> بخشی غلام محمد سے چھٹکارا پانے کے بعد پنڈت نہرو نے۔۔۔ خواجہ شمس الدین کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا تو بخشی غلام محمد اس سے اپنی توہین کے مترادف سمجھا۔۔۔ اس کے لیے انھوں نے موئے مقدس ؐ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کا پلان بنایا۔۔۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۶۳ء کی صبح کو موئے شریف کی گمشدگی کی خبر سے لوگ ششدر رہ گئے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے لوگ حکومت کے خلاف ایجی ٹیشن شروع ہو گیا۔ تو ریاستی سرکار کے ساتھ مرکزی سرکار لڑا اٹھی، ہر طرف ایک کہرام مچ گیا۔۲۰

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ موئے مقدس کو ایک منصوبے کے تحت چوری کیا گیا۔ جب غلام محمد بخشی کو اقتدار سا بر طرف کر دیا تو انھوں نے موئے مقدس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر دی تا کہ اپنے اقتدار کو دوبارہ حاصل کر سکے جب یہ خبر عوام تک پہنچ گئی تو ہر طرف جلسے جلوس نکلے اور مظاہرے ہوئے۔ اس تاریخی واقعے کو ثناءاللہ بٹ یوں بیان کرتے ہیں:

> ۲۷ دسمبر ۱۹۶۳ء کے درمیانی شب کو سرینگر کی درگاہ حضرت بل سے موئے مبارک نہایت پُر اسرار طور چوری ہو گئے۔ یہ خبر صورِ اسرافیل ثابت ہوئیاور جنگل کی آگ کی طرح ساری وادی میں پھیل گئی۔۔۔ پوری وادی میں ایک عجیب انقلاب کی سی کیفیت بپا ہو گئی۔۔۔۲۸ دسمبر کی صبح ایک بڑا جلوس سرینگر کے نچلے حصّوں سے ہوتا ہوالال چوک پہنچا۔[۲۱]

الیسٹیر لیمب اپنی کتاب (*Kashmir Dispute*) میں اس تاریخی واقع کو یوں بیان کرتے ہیں:

> On 26 December it was discovered that a sacred relic , of hair which was believed to come from the head of the Prophet Mohammad , had been stolen from the Hazrat bal Shrine near Srinagar.The Relic (the Moe – i-Muqaddas)… The theft of the Relic gave rise to expression of intense public indignation in Srinagar.It was widely held that Bakshi Ghulam Mohammad was involved in the outrage.[۲۲]

مذکورہ بالا تاریخی حوالوں سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ موئے مقدس کو چھپانے میں غلام محمد بخشی کا ہاتھ تھا۔ جنھوں نے اپنے اقتدار کے خاطر اس موئے مقدسؐ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی۔ شبنم قیوم نے اس تاریخی واقع کو غیر جانبداری کے ساتھ بیان کیا ہے۔

شبنم قیوم وادی کشمیر کی صورت حال کا دانشورانہ تجزیہ کرتے ہوئے وادی کے ماضی اور حال کی عکاسی جرات مندانہ اور حقیقت پسندانہ رویہ سے کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ اس ناول میں ناول نگار کلی طور پر کشمیر کی تاریخ دہرا رہے ہے۔ اور وادی کشمیر کے اہم واقعات کو بڑی مہارت کے ساتھ جوڑا ہے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوستانی حکومت نے ریاست جموں و کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ ہندوستان کے لیڈر کسی بھی صورت میں کشمیر کا الحاق پاکستان کے ساتھ نہیں چاہتے تھے اور انہیں یہ بھی منظور نہیں تھا۔ کہ ریاست جموں و کشمیر خود مختار ہے۔ ان متعصب ہندو لیڈروں کو اپنی سازشوں

میں کامیاب ہونے کے لیے وہ شیخ عبداللہ کو ورغلانے میں کامیاب ہوئے۔ ناول نگار نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس کا تاریخی واقعات کو یوں بیان کیا ہے:

۲۲ فروری ۱۹۷۵ء میں جو میں نے تمہاری شادی کا اقرار نامہ اشوک کیا تھا اس کے بارے میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میرا یہ فیصلہ ایک صحیح فیصلہ تھا۔ آج جب کہ دوبارہ میں نے اس فیصلے کی تصدیق کر دی۔ اس کے عوض میری نوکری بحال ہو گئی ہے۔ میرا اقتدار واپس مل گیا۔ ۲۳ے

ناول نگار نے ایک ایسے تاریخی حقیقت کو سامنے لایا ہے جو ۱۹۷۵ء میں اندرا گاندھی اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان ایک معاہدہ طے ہوا تھا۔ یہ معاہدہ اندرا عبداللہ ایکارڑ کے نام سے عمل میں آیا۔ جس میں انھوں نے کشمیریوں کو اندرا گاندھی کے ہاتھوں بھارت کو فروخت کیا۔ جو کام شیخ عبداللہ کا دوست پنڈت جواہر لعل نہرو نہیں کر سکا وہ ان کی بیٹی اندرا گاندھی نے کر کے دکھایا۔ اور برسوں کی جدوجہد آزادی سے دستبردار ہو کر شیخ محمد عبداللہ نے کشمیر اندرا عبداللہ ایکارڑ قبول کیا۔ اس نام نہاد معاہدے کے روسے ریاست جموں وکشمیر کو ہندوستان کا جزو قرار دیا گیا اس کے بعد ہندوستان اور کشمیر کے تعلقات بھارتی آئین کی دفعہ ۳۷۰ کے تابع کر دیا گیا۔ اندرا عبداللہ معاہدے کے بعد ریاست جموں وکشمیر کے کانگریس کے اسمبلی ممبران نے شیخ محمد عبداللہ کو قائد ایوان مقرر کیا۔ اور آخر کار طویل جدوجہد آزادی کو ترک کر کے وہ سیاست میں شامل ہوئے۔ اور اندرا عبداللہ معاہدہ طے کر کے وہ جموں وکشمیر کے وزیر اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اعجاز حسین اپنی کتاب (*Kashmir Dispute*) میں لکھتے ہیں:

> Sheikh Mohammad Abdullah's accord with Mrs.Indra Gandhi ,Prime Minster,and his subsequent assumption of office as Chief Minster in February1975 ۲۴ے
>
> Sheikh Abdullah's acceptance of the 1975 Kashmir Accord constituted the acceptance by the people Of Kashmir of the permanent accession of the state to India ۲۵ے

الیسٹیر لیمب اندرا عبداللہ ایکارڑ کے بارے میں اپنی کتاب (*Kashmir Dispute*) میں لکھتے ہیں:

> Sheikh Abdullah accepted on 12 February 1975, were made public by Indra Ghandi on 24 February 1975 as the"Kashmir Accord" ۲۶ے

ان تاریخی حوالوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شیخ عبداللہ نے کشمیر کا الحاق پہلے سے ہی بھارت کے ساتھ کیا تھا۔ جس کا نتیجہ ۱۹۷۵ء میں اندرا عبداللہ ایکارڈ کی صورت میں لوگوں کے سامنے عیاں ہوا۔

شیخ عبداللہ اور اندرا گاندھی کے مابین معاہدہ طے ہونے کے بعد بھارتی آئین کے تحت دفعہ ۳۷۰ کشمیریوں کو دیا گیا۔ بھارتی آئین کے تحت دفعہ ۳۷۰ ایک خصوصی دفعہ ہے جو ریاست جموں و کشمیر کو جداگانہ حیثیت دیتی ہے۔ یہ دفعہ ریاست جموں و کشمیر کو اپنا آئین بنانے اور اس سے برقرار رکھنے کی آزادی دیتی ہے۔ دفعہ ۳۷۰ کے حوالے سے A.G Noorani. اپنی کتاب *(Article 370:A Constitution of Jammu and Kashmir)* میں لکھتے ہیں:

> The constitution of India came into force with a unique provision – Article 370 . The special status accorded to the state of Jammu and Kashmir in the article meant that its people lived under a different set of laws while being a part of the Indian Union ۲۷

اس خصوصی دفعہ کے تحت دفاعی امور، مالیات، خارجہ امور وغیرہ کو چھوڑ کر کسی اور معاملے میں متحدہ مرکزی حکومت، مرکزی پارلیمان اور ریاستی حکومت کی توثیق و منظوری کے بغیر بھارتی قوانین کا نفاذ ریاست جموں و کشمیر میں نہیں کر سکتی۔ دفعہ ۳۷۰ کے تحت ریاست جموں و کشمیر کو ایک خصوصی اور منفرد مقام حاصل ہے۔ الیسٹیر لیمب دفعہ ۳۷۰ کے متعلق لکھتے ہیں:

> The state of Jammu and Kashmir , which is a constitute unit of the Union of India shall in its relations with the Union ,continue to be governed by Article 370 of the Constitution of India'':however , while residuary powers of legistation would remain with the State , the Union Parliament ۲۸

اعجاز حسین دفعہ ۳۷۰ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> Article 370 granting autonomy to Kashmir in place of the right of self –determination ۲۹

مذکورہ بالا تاریخی حوالوں سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ دفعہ ۳۷۰ کے مطابق ریاست جموں و کشمیر کے لوگوں کو ایک خصوصی حیثیت حاصل ہے اس دفعہ کے تحت ریاست جموں و کشمیر کے بہت سے بنیادی امور جن میں

شہریوں کے لیے جائداد، شہرت اور بنیادی انسانی حقوق شامل ہیں ان کے قوانین عام بھارتی قوانین سے مختلف ہیں۔اس دفعہ کا مقصد جموں وکشمیر کے ریاستی حقوق کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔

ناول نگار کے پلاٹ کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس ناول میں لاتعداد واقعات یکے بعد دیگرے رونما ہوتے ہیں۔ناوک نگار نے واقعات کی پیش کش میں فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ شبنم قیوم نے ایک اور حقیقی تاریخی واقعات سے باور کرایا ہے کہ جب ہندوستان نے وادی کشمیر پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے جو سیاسی چالیں چلیں۔اس کو لے کر وادی کشمیر میں وقتاً فوقتاً آوازیں بلند ہوئیں۔ لیکن ۱۹۸۹ء میں کشمیر میں حصولِ آزادی کے لیے ایک نئے اتحاد "تحریک حریت کشمیر" کی بنیاد رکھی گئی۔ ۳۰

جس میں عسکری اور سیاسی قیادتیں دونوں موجود تھیں۔اس دور میں وادی کشمیر میں ایک بار پھر سیاسی، سماجی، اقتصادی اور تہذیبی و ثقافتی منظر نامے میں تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔جب کی مسلح تحریک عروج پر پہنچ چکی تھی اور مرکزی سرکار کے پاس انہیں کچلنے کے لیے کوئی حربہ نہ تھا تو انھوں نے وادی کشمیر میں گورنر راج نافذ کر دیا۔اس میں حقِ خودریت کا مطالبہ کرنے والے کشمیریوں کو دبانے کے لیے سخت فوجی طاقت کا استعمال کیا۔ناول نگار اس کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں :

> سب سے بڑی پریشانی اس بات پر ہو رہی ہے کہ کشمیر میں حکمرانی کے انہیں کوئی کٹھ پتلی نہیں مل رہا ہے ۔جب کہ بڑے بڑے ممالک۔۔۔اور اشوک کو عالمی برادری کی طرف سے یہ الٹی میٹم مل گیا کہ یا تو سول حکمرانی بحال کروائیں یا تو کشمیریوں کو آزاد چھوڑ دو، اب ریاست پر صدارتی حکمرانی اور قتل و غارت برداشت نہیں کیا جائے گا۔ ۳۱

ناول نگار نے ایک اور اہم تاریخی حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ جب ہندو سرکار کو کشمیر کی تحریک آزادی کی کچل کر رکھ دینے کے لیے کوئی حربہ نہ تھا تو انھوں نے ایک ایکٹ بنایا۔اس ایکٹ کے تحت سیکیورٹی فورسز کو مکمل اختیار حاصل ہے کہ وہ مظاہرین کو کچلنے اور تحریک آزادی کو دبانے کے لیے ہر وسیلہ اور اقدام بروئے کار لا سکتے ہیں ایسا کرتے ہوئے خواہ وہ انسانی حقوق کی جس قدر بڑے پیمانے پر بھی خلاف ورزی کرے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔انسانی حقوق کے عالمی اداروں اور اقوام متحدہ نے اس ایکٹ کے نفاذ پر زبردست مزاحمت کی تھی۔ کیوں کہ یہ ایکٹ براہ راست فوجی افسران کو یہ اختیار فراہم کرتا تھا کہ وہ اپنے مشن کی کامیابی اور مرکزی سرکار کے احکامات پر عمل درآمد کے لیے ہر قسم کے حربے اختیار کر سکتے ہیں۔

ناول نگار نے اس ناول میں بتایا ہے کہ ریاست لموں وکشمیر میں کٹھ پتلی حکومتیں قائم کی جاتی ہیں۔اور ہندوستان کی سرکار کو ریاست سے حکمرانی کے لیے ایسے لوگوں کو لیناپڑتا ہے۔ جو فطرتاًاور خصلتاًہندوستانی ہوں۔ تاکہ ریاست پر اپنی گرفت مضبوط بنائی جاسکے۔اس لیے ہر نیار ہنمار اہزن کے روپ میں سامنے آتاہے۔اوراپنے ذاتی مفادات کو ترجیح دیتاہے۔

شیخ محمد عبداللہ کی کی گرفتاری کے بعد بخشی غلام محمد کی حکومت قائم کی گئی۔اس طرح ۱۹۹۰ء میں گورنر راج لگاکر جگموہن کو اقتدار سونپ دیا گیا۔ ۳۲ جس سے ریاست جموں وکشمیر کے جبر کے ایک سیاہ دور کا آغاز ہوا۔اس دور میں ظلم و تشدد، مار دھاڑ، نوجوانوں کی پکڑ دھکڑ، عورتوں کی عصمت دری اور ہجوم مقامات پر اندھا دھند گولیاں برسانا معمول کے واقعات بن گئے:

> ریشما سوچ رہی تھی ۵ ۱۹۷ء میں سال کی جدوجہد آزادی کو آوارہ گردی کانام دے کر حکومت سازی کے لیے اس کے باپ نے جوایکارڑ نام کاشرمناک فیصلہ کرلیا تھا۔آج ۱۹۹۶ء میں اس کے بیٹے فاروق عبداللہ نے حکومت سازی کافیصلہ لے کر شرمناک کے ساتھ عبرتناک فیصلہ لیا۔ ۳۳

شیخ عبداللہ کے انتقال کے بعد بھارت سرکار کچھ زیادہ ہی مہربان ہو گئی۔ توانھوں نے شیخ عبداللہ کے بیٹے فاروق عبداللہ کو ۱۹۹۶ء میں وادی کشمیر کا کٹھ پتلی وزیر اعلیٰ بنادیا گیا۔ ۳۴ وہ اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے روزِاول ہی سے ریاست جموں وکشمیر پر بھارت کے جبری تسلط پر ہندوستان کی حمایت کرتارہاہے۔کیوں کہ فاروق عبداللہ بندوق برداروں اور علیحدگی پسندوں کو کوئی بھی رعایت دینے کے خلاف سینہ سپیر ہو گئے تو اس صورت حال کو دیکھ کر کشمیری عوام کو اپنے حقوق ملنا آزادی اور خود مختاری حاصل ہونا اس کے آثار دور دور تک نظر نہیں آرہے ہیں۔ڈاکٹر فاروق عبداللہ کا دورِ اقتدار اس حوالے سے وادی کشمیر کی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔ کیوں کہ انہیں کے ایماء پر وادی پوش نے کشمیری ماؤں سے نہ صرف ان کے جگر گوشوں کو چھین لیا بل کہ ان کے سامنے انہیں سڑکوں پر گھسیٹ کر انسانیت کی تذلیل کرنے میں بھی عار محسوس نہیں کرتے ہے۔ سرکاری پارکیں قبرستانوں میں تبدیل ہو گئے۔ قبرستانوں کے لیے زمین کم پڑ گئی، ہزاروں نوجوان غائب ہو گئے، عمارتیں مسمار ہو گئ، سڑکیں توڑ پھوڑ ہو گئیں وغیرہ یہ ظلم کی ایک انتہاہے۔

وادی کشمیر پچھلی کئی دہائیوں سے جس بے دردی کے ساتھ وہاں کے باسیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جارہا ہے، انسانیت بھی شرم سے منہ چھپا کر دہائی دے رہی ہے۔ کوئی بھی قلم کار اپنے گرد و نواح کے حالات، واقعات اور حادثات سے لاتعلق نہیں رہ سکتا اور پھر جب حالات وواقعات کی شدت بھی ایسی ہو کہ زندگی کا کوئی بھی شعبہ متاثر ہوئے بنا

نہ رہ سکے۔ تو قلم کار کے قلم کو توراست گوئی سے کوئی شخص روک نہیں سکتا۔ شبنم قیوم کے ناول کے مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انھوں نے وادی کشمیر کا دانشورانہ تجزیہ کرتے ہوئے کشمیر کے ماضی اور حال کی عکاسی جرت مندانہ اور حقیقت پسندانہ رویہ سے کیا ہے۔ شبنم قیوم کلی طور پر کشمیر کی تاریخ دہرا رہے ہیں اور کشمیری تاریخ کے اہم واقعات کو بڑی مہارت کے ساتھ واضح کیا ہے۔ وادی کشمیر کے تاریخی حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ شبنم قیوم نے سماج میں موجود ان چہروں کو بے نقاب کیا ہے۔ جو وادی کشمیر کی کٹھ پتلی حکومت کا فائدہ اٹھا کر اپنی تجوریاں بھر رہے تھے۔ یہ وہ لوگ ہے جنھوں نے وادی کشمیر کی خوبصورتی کو برباد کرنے میں بھرپور کردار نبھایا ہے۔ جنھوں نے وادی کی زمین پر ناجائز قبضہ کر کے اپنے فائدے کے لیے سڑکوں پے خون کی حولی کھیلی۔ اور غربت عوام کو اپنے پیروں تلے ایسے روندا کہ وہ کسی بے سہارے کا سہارا نہ بن سکے۔ وردی یا عہدے یا اپنی ان نیت، حاکمیت اور دولت کے آڑ میں لوگوں پے ظلم و ستم اور زیادتی کرنے والے بہ خوبی جانتے ہے کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ مگر وہ سیاست کے مہرے بنے ہوئے ہے جن کو کچھ خود غرض لوگ اپنی انانیت اور حاکمیت کے عوض خرید لیتے ہیں۔ شبنم قیوم نے انہی حالات و واقعات کو صفحہ قرطاس پر پرلا کے کشمیریوں کے دکھ درد کی وکالت کرتے ہوئے اور ان کے ساتھ ہو رہی زیادتیوں اور سچائی پر مبنی حالات و واقعات کو عالمی انسانیت کے سامنے سوالیہ انداز میں لایا۔

شبنم قیوم نے اس ناول میں وادی کشمیر کے حقیقی تاریخی واقعات بیان کیے ہیں۔ جس کا مقصد لوگوں کو کشمیر کے سیاسی منظر نامے سے واقف کرانا ہے۔ یہ کشمیر کے سیاسی تاریخ کے ایسے واقعات ہے۔ جو اس سرزمین کی سیاست کے ظاہر و باطن کی عکاسی کرتے ہیں۔ ناول نگار نے تاریخی واقعات اور حقائق کو نہایت دیانتداری اور غیر جانبداری کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شبنم قیوم،یہ کس کا لہو ہے کون مرا(ساتواں ایڈیشن)،(دہلی: آفیسٹ پرنٹرس،۲۰۰۲ء)،ص ۱۷۔

۲۔ ثناءاللہ بٹ،کشمیر ۱۹۴۷ءسے ۱۹۷۷ءتک،(سرینگر: گاؤکدل،۲۰۱۶ء)،ص ۱۳۔

۳۔ شبنم قیوم،یہ کس کا لہو ہے کون مرا،ص ۳۸۔

۴۔ ایضاً،ص ۳۸۔

۵۔ ثناءاللہ بٹ،کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ءتک،ص ۱۴۵۔

۶۔ شبنم قیوم،کشمیر کا سیاسی انقلاب(جلد اوّل)،(دہلی: آفیسٹ پرنٹرس،۱۹۸۹)،ص ۶۴۔

۷۔ ثناءاللہ،کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک،ص ۲۱۔

۸۔ شبنم قیوم،یہ کس کا لہو ہے کون مرا،ص ۳۹۔

۹۔ ثناءاللہ بٹ، کشمیر ۱۹۳۶ء سے ۱۹۷۷ءتک،ص ۱۸۔

۱۰۔ خواجہ محمد بشیر بٹ،جموں و کشمیر کی درد ناک تصویر ،(لاہور: حنیف پرنٹرز،۲۰۱۶ء)،ص ۱۷۳۔۱۷۴۔

۱۱۔ شبنم قیوم،یہ کس کا لہو ہے کون مرا،ص ۴۱۔

۱۲۔ اعجاز حسین(Aijaz Hussain)، *Kashmir: An International Dispute Law Perspective*(پاکستان: قائدِ اعظم یونی ورسٹی،۱۹۹۸ء)،ص ۴۔

۱۳۔ ثناءاللہ بٹ،کشمیر ۱۹۳۹ء سے ۱۹۸۸ء تک،ص ۴۳۔

۱۴۔ شبنم قیوم،یہ کس کا لہو ہے کون مرا،ص ۴۵۔

۱۵۔ جوزف کاربل(Josef, Korbel)، *Danger in Kashmir*(نیو یارک:آکسفورڈ یو نی ور سٹی پرس،۱۹۵۴ء)،ص ۲۳۴۔

۱۶۔ شبنم قیوم،کشمیر کا سیاسی انقلاب(جلد سوم)،ص ۳۰۸۔

۱۷۔ ثناءاللہ بٹ،کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک،ص ۶۳۔

۱۸۔ الیسٹیر لیمب(Alastair, Lamb)،*Kashmir A Disputed Legacy 1846-1990*(نیو یارک:آکسفورڈ یونی ورسٹی،۱۹۹۱ء)،ص ۲۴۷۔

۱۹۔ شبنم قیوم،یہ کس کا لہو ہے کون مرا،ص ۶۲۔

۲۰۔ شبنم قیوم،کشمیر کا سیاسی انقلاب(جلد دوم)،ص ۱۰۵۔۱۰۶۔

۲۱۔ ثناءاللہ بٹ،کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک،ص ۸۸۔

۲۲۔ الیسٹیر لیمب، (Alastair , Lamb)، *Kashmir A Disputed Legacy 1846-1990*،ص ۲۰۵۔

۲۳۔ شبنم قیوم،یہ کس کا لہو ہے کون مرا،ص ۱۲۱۔

۲۴۔ اعجاز حسین(Aijaz, Hussain)، *Kashmir Dispute :An International Law Perspective*،ص ۲۶۹۔

۲۵۔ ایضاً،ص ۱۵۸۔

۲۶۔ الیسٹیر لیمب،(Alastair ,Lamb)،*Kashmir A Disputed Legacy 1846-1990*،ص ۲۶۸۔

۲۷۔ اے۔جی نورانی(A.G.Noorani)، *Article 370:AConstitution of Jammu andKashmir*(نیو یارک:آکسفورڈ یونی سٹی پرس،۲۰۱۱ء)،ص ۳۰۔

۲۸۔الیسٹیر لیمب،(Alastair ,Lamb)،*Kashmir A Disputed Legacy 1846-*
1990،ص۳۰۷۔

۲۹۔اعجاز حسین،(Aijaz, Hussain)، *Kashmir Dispute:An International Law*
Perspective،ص۱۵۸۔

۳۰۔سید علی گیلانی،ولر کنارے،(سرینگر: ملت پبلی کیشنز، ص۳۹۶۔

۳۱۔شبنم قیوم،یہ کس کا لہو ہے کون مرا،ص۱۵۰۔

۳۲۔سید علی گیلانی،ولے کنارے،ص۵۰۵۔

۳۳۔شبنم قیوم،یہ کس کا لہو ہے کون مرا،ص۱۵۱۔

۳۴۔سید علی گیلانی،ولر کنارے ،ص،۶۴۵۔

باب چہارم:

شبنم قیوم کا سیاسی و نظریاتی موقف (بحوالہ خصوصی یہ کس کا لہو کو نمرا)

اس باب میں شبنم قیوم کے سیاسی و نظریاتی موقف کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ آئے دن اس سیاسی کھیل سے باور کرانے کی کوشش کی جائے گی جنھوں نے اپنے اقتدار کے خاطر کشمیر کے سادہ لوح عوام کو شروع سے ہی غیروں کا غلام بنادیا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ سیاست ایک ایسا کھیل ہے جس میں ہمیشہ پھونک پھونک کر قدم قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اگر ذرا سی بھی لاپرواہی یا کوتاہی برتی جائے تو اس سے کہیں نسلیں تباہی کے دہانے پر پہنچ کر برباد ہو جاتی ہیں۔ اسی سیاست کے الٹ پھیر سے کئی خاندان حتٰی کہ کئی ملک تقسیم ہو جاتے ہیں۔ دراصل برصغیر کی تقسیم کا وجود بھی سیاست کے الٹ پلٹ کھیل نے ہی قائم کیا ہے جو پاکستان اور ہندوستان کے ناموں سے ہمارے سامنے آئے ہیں۔ اسی سیاسی کھیل سے ہی برصغیر کے تقسیم کے ساتھ ساتھ خطہ جموں و کشمیر میں بھی اپنے اثرات ثبت کر کے اس خطے کے سینے پر بھی خونی لکیر کھینچ دی۔ جس کی وجہ سے اس خطے کی امن وامان کو بھی بہت بڑا دھچکا لگا۔ یہاں تک کہ آج کی تاریخ میں بھی اس تقسیم نے خطہ جموں و کشمیر کو طرح طرح کے مسائل سے دوچار کیا ہوا ہے اور سیاست کو حقوقِ انسانی کے تحفظ کا نام دے کر ایسا سیاسی کھیل کھیلا جارہا ہے جس کھیل نے جموں و کشمیر کی تیسری نسل کو بھی ذہنی مرض میں میں مبتلہ کر دیا ہے اس کا حل ناپاک سیاست نہیں بلکہ اس کا حل سیاسی نقطہ نظر سے حقوق حق خودداریت کا تحفظ ہے۔

اس طرح برصغیر کی تقسیم کے ساتھ ساتھ ریاست جموں و کشمیر بھی تقسیم ہوا۔ اس کے بھی دو حصّے ہو گئے دونوں حصے دوسروں کے قبضے میں آگئے ایک حصے کا نام آزاد کشمیر رکھا گیا تو دوسرا خطہ غلام بنادیا گیا۔ جموں و کشمیر میں سیاسی کھیل نے ایک میدان کی شکل اختیار کر کے جہاں پوری عالمی برادری کو گرفت میں لیا ہوا ہے وہیں جموں و کشمیر کے باسیوں کو بھی آئے دن نئے سے نئے سبق پڑھنا پڑ رہا ہے۔ اس سیاسی کھیل نے وادی میں بہت سے مسائل کو جنم دے کر پورے شعبہ حیات کو بھی مفلوج کر کے رکھا ہوا ہے۔ وادی کی تقسیم سے لے کر آج کی تاریخ تک سیاست کو ناپاک کر کے آئے دن وادی کے سادہ لوح عوام کو پرائے کا روپ اختیار کر کے نئے چیلنجوں سے دوچار ہوا ہے۔ اس کے برعکس آج بھی وادی کا عام فرد اسی ناپاک سیاست سے پیدا شدہ مسائل سے جھوج رہا ہے۔ اس سیاسی کھیل نے جہاں ہر شعبہ حیات پر اثرات چھوڑے وہی ادبی حلقوں میں بھی اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں جو ہمیں وادی کے ہر حساس تخلیق کار کی تخلیق سے عیاں ہو رہے ہیں۔ جب ہم وادی کشمیر کے تقسیم کے بعد کے ادب کو جائزہ لیتے ہیں تو سیاست کے کھیل سے وجود میں آنے والے خونی دھبے نظر آتے ہیں۔ اس پیدا شدہ صورت حال سے مختلف نوعیت کے پیش آنے مسائل، حالات وواقعات اور کشمیری قوم کے جذبات واحسات کو بیان کیا۔ انھوں نے اپنے خون جگر کو قلم کی سیاہی بنا کر وادی کشمیر کی اصل حقیقت سے باور کرانے کے ساتھ ساتھ ان سیاسی حاکموں کا پردہ بھی فاش کیا ہے جنھوں نے ہمیشہ اپنے انانیت، حاکمیت ااور دولت کے آڑ میں

لوگوں کو اپنے کھوکھلے نعروں کی تاریکیوں میں رکھا۔ وادی کے ان حساس تخلیق کاروں میں شبنم قیوم کا نام بھی سرفہرست ہیں جن کا تولد بھی اسی خطہ ارضیٰ میں ہوا جس کو دنیا میں جنت نظیر کہا گیا ہے۔ انھوں نے خود وادی کے سیاسی نشیب وفراز اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ شبنم قیوم نے جب لکھنا شروع کیا تو کشمیر میں حالات بہت ہی اضطرابی کیفیت کے تھے۔ اور ان ہی مسائل کو شبنم قیوم نے اپنی تحریروں کا موضوع بنایا۔ ان مسائل سے کوئی بھی شعبہ حیات متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس طرح شبنم قیوم نے اپنے شائستہ قلم سے اور حساس ذہن سے وادی کشمیر کے اسی سیاسی بحران کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا ہے جس سے جموں و کشمیر کا ہر باسی نالاں تھا۔ مثلاً بے گناہ نوجوانوں کا قتلِ عام، گھروں میں نظربندیاں، فیک انکاؤنٹر، گم نال قبرستان، عورتوں کی عصمت دری، بزرگوں کی عزتیں تارتار، معصوم بچوں کا بے دردی سے قتل کرنا اور گم نام مقام پر پہنچا دینا یعنی کہ کشمیریوں کی نسل کشی، اس کے ساتھ ساتھ ہجرت، جیسے مسائل کو شبنم قیوم نے اپنے احساسات کا اظہار کیے ہے اس طرح ان کے موضوعات کا کینوس وسیع تر نظر آتا ہے اس حوالے سے انھوں نے میرے ایک سوال کے جواب میں کہا:

> میں اسی جموں کشمیر کا باسی ہوں۔ میری ان آنکھوں نے کئی نوجوانوں کی لاشیں خون میں لت پت دیکھی ہیں۔ بل کہ ایسے ہی کئی اور مناظر میری آنکھوں سے گزرے جو نا قابل برداشت تھے۔ پس اس طرح کے دلدوز منظر نے میرے اندر کے انسان کو اس طرح لکھنے پر مجبور کیا۔[1]

شبنم قیوم کے مزکورہ بالا خیالات سے یہ بات واضح ہوتی کہ شبنم قیوم ایک حساس ذہن کے مالک تھے۔ جنھوں نے اردو ادب کی دینا میں بھی کشمیر کی بات کی ہے۔ کشمیر کے مسائل کو اپنی فنکارانہ بصیرتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ان مسائل سے باور کرایا ہے جس سے جلتے ہوئے کشمیر کی پوری تصویر عیاں ہو جاتی ہے اور کشمیر کو ایک سیاسی میدان بنانے والوں کا جہاں قدم قدم پر پردہ چاک کرتے ہیں وہیں کشمیر کی اس سیاست سے بھی روشناس کرایا ہے کہ اس سیاست کے پیچھے کیا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ اس حوالے سے شبنم قیوم (کشمیر کا سیاسی انقلاب) میں یوں لکھتے ہیں:

> میں کوئی غیر ملکی باشندہ نہیں ہوں بل کہ میں بھی اس خطے کا ایک فرد ہوں جس خطے کو حاصل کرنے کے لیے ہر طاقت ور نے اپنی طاقت سے حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس سے محبت کرنے والوں نے اپنے ہونے کے لیے بے شمار روپ اختیار کر کے باری باری اپنی یکجہتی کا اظہار کیا ہے۔ میں کشمیر کے ان سیاست دانوں کے کھوکھلے نعروں کو بھی سنا ہے جنھوں نے بظاہر خودداریت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا لیکن اندر سے اقتدار کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار تھے۔ آخر جب میرے وطنِ عزیز کی سادہ لوح عوام کو سیاسی

کھیل دکھا کر حق خود داریت کے جھوٹے نعروں سے اپنے اعتماد میں لے کر پھر اپنا اصل روپ دکھایا تو اس وقت سادہ لوح عوام کرتی تو کیا کرتی۔ پھر یہی نہیں بل کہ ان گندی سیاست کرنے والوں اپنی سیاست سے بیرونی طاقتوروں کو دعوت دی آخر وہی ہوا جو ظالم مظلوم کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے۔[۲]

شبنم قیوم کے اس نقطے پر کوئی شک و شبہ نہیں کیوں کہ کشمیر میں ہونے والی سیاست نے آج ایک ایسی طاقت کی شکل اختیار کر لی ہے۔ جو بھی آج کشمیر کی اصل حقیقت کو جاننے کی یا باور کرانے کی کوشش کرتا ہے اس کو گم نام کر دیا جاتا ہے۔ شبنم قیوم نے زیادہ تر اپنی تخلیقات میں کشمیر کے سیاسی نقطے کو اپنا موضوع بنایا ہے:

سیاستدان اور ناکام حکمرانوں ہونا اس رعایا کی بڑی بد بختی ہے جس کے حصے میں نظم و نسق چلانے کے لیے یہ آتے ہیں۔[۳]

شبنم قیوم اپنی تخلیق اپنے ارد گرد کے مسائل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنی ناول نگاری اور افسانہ نگاری کا تانہ بانہ بنتا ہے جس کی زندہ مثال "یہ کس کا لہو ہے کون مرا" ہے۔ اس ناول کو پڑھ کر جہاں جموں و کشمیر کی اصل تاریخ اور اصل تحریک کے ساتھ ساتھ جموں و کشمیر میں ڈھائے جانے والے مظالم کا پتہ چلتا ہے تو وہیں اس ناول میں جموں و کشمیر کی عوام سے کی گئی وعدہ خلافیوں کا پردہ چاک اور حقوق کی پامالیاں کا نقشہ بھی عیاں ہوتا ہے۔

شبنم قیوم نے کہانی کی شکل میں کشمیر میں ہونے والے مظالم کی داستان راقم کرنے کی کوشش کی اور کشمیر کی اصل حقیقت کو اپنے آنے والی نسلوں کو روشناس کرانے کے لیے انھوں نے ایک ناول تخلیق کیا یہ کس کا لہو ہے کون مرا یہ بھی کشمیر کی اس سیاست کے ہاتھ چڑھ گیا جس کی بنیاد پر شبنم قیوم کو اپنی زندگی کا کچھ عرصہ سلاخوں میں گزارنا پڑا لیکن شبنم قیوم کے موقف میں زرا سی بھی لچک نہیں آئی۔ کیوں کہ شبنم قیوم نے سیاست کا کھیل اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا انھوں نے اسی کو من و عن اپنے اس ناول میں پیش کیا۔ چاہے وہ بخشی دور کی سیاست ہو یا چاہے شیخ خاندان کی سیاست کا دور ہو۔ شبنم قیوم نے اس سیاست کا اصل روپ پیش کرنے کی کوشش کی ہے ان کے اس کام کو خوب شہرت بھی ملی ہے:

میں ان تمام حالات سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکا چنانچہ میں نے اس کتاب کو نئے سرے سے لکھنا شروع کیا اور اس کا نام "یہ کس کا لہو ہے کون مرا" رکھ دیا۔ اس کتاب کو چھپنے کے لیے میں نے اس سے پریس میں دے دیا لیکن ریاست کے وزیر اعلیٰ شیخ عبداللہ نے مجھ سے تحریر کی آزادی چھین کر اس کتاب کو ضبط کرایا اور مجھے پابند سلاسل کرنے کے لیے پولیس کو حرکت میں لایا گیا، لیکن مصلحت سے کام لے کر میں فوراً روپوش ہو گیا۔[۴]

مندر بالا سطور سے یہ نقطہ عیاں ہو جاتاہے کہ شبنم قیوم اپنے موقف پر ڈٹے رہنا اس بات کی گوئی ہے کہ موصوف کشمیر میں امن کا داعی تھا کیوں کہ سیاست کے کھیل سے رونما ہونے والے مسائل نے وادی کے ہر باسی کو اپنے آپ سے بھی اجنبی بنانے کے ساتھ ساتھ ذہنی مرض میں مبتلا کر دیا ہے۔ پس شبنم قیوم نے اپنی تحریروں میں اپنے آس پاس کے حالات کو موضوع بحث بنایا ہے۔ انھوں نے جو دیکھا وہی صفحہ قرطاس پر اتارنے کی کوشش کی ہے رہی بات افسانوں اور ناولوں کے کرداروں کی وہ بھی آس پاس کا انتخاب ہیں جن کے ہر عمل سے کشمیر کی عکاسی ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ انھوں نے جو دیکھا ان کو اپنے جیتے جاگتے کرداروں سے پورے حالات وواقعات کو رقم کر کے اصل حقیقت سے قاری کو روشناس کروانے کی کوشش کی ہے ۔ بل کہ ان کے دل پر رونما ہونے والے آئے دن حادثات اور واقعات ان کے ذہن پر گھر کر جاتے ہیں پھر ان پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ وہ واقعات ان کے جذبات اور احساسات بن کر قلم سے پھوٹ پڑتے ہیں اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے شبنم قیوم کا کہنا ہے:

> پاس پڑوس میں روز مرہ کے جو واقعات رونما ہوتے ہیں وہ دیکھتا رہتا ہوں اس میں سے چند میرے دل کو چھو جاتے ہیں اور میں انہیں ناول اور افسانے کی صورت میں عام آدمی تک پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ ۵

شبنم قیوم کا تاریخی ناول "یہ کس کا لہو ہے کون مرا" اس میں انھوں نے زیادہ اس سیاست کا پردہ فاش کیا ہے جس سیاست نے کشمیریوں کو حق خودداریت سے آج تک محروم رکھا۔ انھوں نے ۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک کی تاریخ سب نقطہ نظر کو پیش کیا ہے۔ ۶ اس ناول میں انھوں نے ان لوگوں کی سیاست کا پردہ بھی چاک کیا ہے جنھوں نے سیاست کا غلط استعمال کر کے ایسا خونی کھیل رچایا ہے اور وہ کھوکھلے نعرے جن نعروں پر کشمیر کی سادہ لوح عوام نے اعتبار کر کے اپنے اصل حقوق سے بھی ہاتھ دھونے پڑے:

> ریاست کو مکمل طور پر ملک کے ساتھ مدغم کرنے میں آئین و قانون میں ترمیم کرانے کی جب جب مرکز کو ضرورت پڑی انھوں نے چوہے بلی کا کھیل شروع کیا۔۔۔ شیخ کے پیچھے بخشی، بخشی کے صادق پیچھے اور صادق کے پیچھے قاسم کو لگا دیا گیا، اب کی بار فاروق کے پیچھے ان کے بہنوئی گلہ شاہ لگایا گیا، جنھوں نے مرکز کے ساتھ ساز باز کر کے راج تاج کا تخت نہ صرف الٹ دیا بل کہ وہ خود اس تخت پر بیٹھ گیا اور جب تخت پر بیٹھ کر وہ خود ہی سر پر تاج سجھانے لگا تو ان کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ ۷

اس میں شک نہیں کہ کشمیر پر ہونے والی سیاست نے کسی کو نہیں بخشا۔اور نہ ہی اپنے حق کی خاطر آواز بلند کرنے دی ہے بل کہ جس نے اپنے حق خودداریت کی بات کی اس سے اپنے آپ جان پر سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ شبنم قیوم نے بھی اسی سیاسی دور میں ناول لکھا ہے جس کا تذکرہ اوپر بھی ہوا ہے اس ناول میں خاص کر انھوں نے کشمیر کا سودا کرنے والوں کی ہر اس سیاسی چال کو فاش کیا ہے۔ لیکن اس دور کی سیاست نے ان کی تحریری آزادی کو تار تار کرنے کے ساتھ موصوف کو اپنے مشن کی سوچ سے ہٹانے کے لیے کہی طرح کے سیاسی اور طاقت کے ہتھکنڈے استعمال کر کے پابند کرنے کی کوشش کی گئی تھی جیسا کہ ان کے ایک انٹر ویو میں وہ خود اس ضمن میں بتاتے ہیں:

> سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے اس کی ہر قدم پر مخالفت کرنے والے ہر محاذ پر نظر آتے ہیں اور تعداد میں بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ پس میں بھی سچ کے پیچھے کھڑا رہا۔ کیوں کہ وادی گلپوش کی تباہی و بربادی کے حالات سے میں ناواقف نہیں تھا بل کہ یہ سب کچھ میری آنکھوں نے دیکھا تھا پس ان آنکھوں دیکھے حالات میں نے اپنے تخلیق کردہ ناول "یہ کس کا لہو ہے کون مرا" میں قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے۔۸

بل کہ یہ بات عیاں کہ حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے کشمیر پر کون سی سیاسی ترکیب نہیں اپنائی ایک عام فرد کو حراساں کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو اپنا سیاسی موقف چھڑانے کے لیے کون سا ہتھکنڈے استعمال نہیں کیا۔ طاقت کے ساتھ ساتھ اس روپ میں سیاستدانوں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ جس میں انھوں نے کشمیر کے ہمدرد ہونے کا احساس دلاتے ہوئے ایسے نعرے بھی لگائے "یہ ملک ہمارا ہے اس کا فیصلہ ہم کریں گے"

> دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اس حق سے محروم نہیں کر سکتی۔ اس لیے یہ ہمارا بنیادی حق ہے۔ اور ساری دنیا ہمارے اس حق کو تسلیم کر چکی ہے کشمیر کا بچہ بچہ اس وقت تک اپنی جدوجہد جاری رکھے گا جب تک کشمیریوں کو حق خوداریت نہیں مل جاتا، اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہم ہر قسم کی قربانیوں سے دریغ نہیں کریں گے۔۹

پس مذکورہ سطور سے یہ صاف ظاہر ہوا ہے کہ سیاست دانوں کا اپنے اقتدار کے خاطر لوگوں کو اپنی طرف راغب کرنے کا ایک سیاسی منتر تھا۔ اس منتر کو جپنے والا کوئی بیرون کشمیر سے نہیں تھا۔ بل کہ شیخ محمد عبداللہ ہی تھا انھوں نے یہ نعرہ دیا تھا جس نعرے پر پوری کشمیری عوام نے یقین کیا اور یہ نعرہ باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کر گیا۔ دن بدن کارواں بنتا گیا۔ لیکن افسوس اس سیاسی نعرے کے پیچھے کیا چھپا تھا اس سے کشمیری عوام بے خبر تھی۔ شبنم قیوم اپنے خون جگر کا ایک ایک قطرہ نکال کر کاغذ پر پھیلاتا گیا بل کہ کہیں مرحلے ایسے بھی آئے کہ شبنم قیوم نے جو اپنے ہاتھوں سے لکھا کئی مرتبہ پھاڑ

دیا۔ کبھی ایک روپ دیا تو کبھی دوسرا روپ دیا، یہاں تک صادق کا دور بھی ختم ہو گیا۔ پھر کشمیر کے متعلق کوئی بھی حادثہ رونما ہوتا یا شیخ صاحب کوئی بھی تقریر کرتے تو ان کا ہر ہر نقطہ تحریر کرتے گئے یہاں تک کہ ان کی ایک تقریر کا پورا اقتباس اپنے ناول "یہ کس کا ناول ہے کون مرا" میں ہے۔ تاکہ اصل حقیقت کھل کر سامنے آئے۔ شبنم قیوم نے یہ ناول "یہ کس کا لہو ہے کون مرا" لکھ کر یہ ثابت کر دیا کہ دھوکہ باز کوئی دور سے نہیں بل کہ اپنے ہی کمال کر جاتے ہیں۔ البتہ شیخ عبداللہ کا سیاسی روپ بھی ایک دن سامنے آ گیا۔ اور یہ بالکل عیاں ہو چکا ہے کہ شیخ صاحب نے اپنا ہاتھ غیروں کے ہاتھ میں دے کر یہ ثابت کیا کہ کرسی اور اقتدار بڑی چیز ہے۔ جس کے لیے انھوں نے ہر رنگ کا سیاسی روپ اختیار کیا ہے۔ شبنم قیوم نے اس سیاسی نقطے کے حوالے سے یوں کہا:

> مجھے اس سیاست کا وہ دن بھی یاد ہے کہ جب ۲ جولائی ۱۹۷۲ء کو شیخ محمد عبداللہ اور اندرا گاندھی کی دہلی میں ملاقات ہوئی ہے میں شیخ صاحب کے نعروں کو اکثر ذہن میں رکھتا اور میرے ذہن میں بھی شیخ صاحب کے لیے دن بدن محبت بڑھتی جا رہی تھی لیکن مجھے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ شیخ صاحب اس طرح کی ملاقات کریں گے جس میں کشمیریوں کے حقوق کے ساتھ سودا کیا جائے گا لیکن شیخ صاحب کے نعرے آخر کھوکھلے ہی ثابت ہوئے۔ ۱۰

آخر دہلی کی ملاقات کا اصل پردہ اس دن فاش ہوا جب ۱۹۷۳ء میں پہلگام کے گیسٹ ہاوس میں اندرا گاندھی سے ملاقات ہوئی اقتدار اور کرسی کی لالچ کے سلسلے میں شیخ صاحب کا اصل چہرہ اس دن سامنے آیا اور اس دن یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ نعرہ صرف اقتدار کے لیے ایک ہتھکنڈہ تھا۔ ۱۱ جس کو اپنا کر کشمیری عوام کو رسوا کر کے اپنے مفاد کی خاطر اس ملاقات کو ایک سمجھوتے کا نام دیا گیا۔ یہ سمجھوتا کشمیری عوام کے حق خود ارادیت سے کیا گیا ہے جس کا خمیازہ آج کی تاریخ میں کشمیر کی تیسری نسل بھی بھوگ رہی ہے:

> ۱۹۷۵ء میں ۲۲ سال کی جد وجہد آزادی کو آوارہ گردی کا نام دے کر حکومت سازی کے لیے اس کے باپ نے ایکارڈ کا شرم ناک فیصلہ کر لیا تھا۔ آج ۱۹۹۶ء میں اس کے بیٹے نے حکومت سازی کا فیصلہ لے کر شرم ناک کے ساتھ عبرت ناک فیصلہ لیا۔ ۱۲

مذکورہ بالا اقتباس کی روشنی میں اس حقیقت سے کوئی منہ نہیں موڑ نہیں سکتا۔ کیوں کہ شبنم قیوم نے جو دیکھا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے سچ یہ ہے کہ کشمیر میں سیاست نے ایسا کھیل شروع کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے کشمیر کے ہر کریا کریا بستی بستی میں خون کے دھبے نظر آتے ہیں تقریباً ہر گھر سے گم نام نوجوان کے حوالے سے والدین کی پکار سننے کو ملتی ہے۔ پس

شبنم قیوم نے ان ہی حالات اور واقعات کو اپنا موضوع بنا کر ادب کے قاریوں کو بھی ایک نیا ذہن دیا ہے کہ ادب بھی ہر دور میں ڈل جاتا ہے اور اس عہد کے مسائل کی آواز بن کر ایک نئے روپ سے قارئین کے سامنے آتا ہے۔ شبنم قیوم کی تحریروں میں مقامی رنگ ہے وہ اس لیے کہ شبنم قیوم اپنے آس پاس میں جو دیکھتے ہے اسی کو موضوع بناتے ہیں جس کی مثال ان کا ناول "یہ کس کا لہو ہے کون مرا" ہے۔ اس میں انھوں نے کوشش کی ہے کہ کشمیر میں ہونے والی سیاست اور اس کے بعد جو مسائل درپیش آئے ہیں ان تمام مسائل کو مقامی کرداروں سے پیش کر کے اجڑتے کشمیر کی تصویر پیش کی ہے:

> باپ کے بعد اس کے بھائی نے خود اس کے ساتھ جو برتاؤ کیا اور اشوک کے سامنے خود کو گرا یا دیا اس نے ریشما کو سخت مایوس کر دیا۔۔۔ ایک کے ایک بعد جس اقتدار کے لیے یہ اس قدر گر جاتے ہیں اپنا وقار تک ملیا میٹ کر دیتے ہیں۔ ایمان کا سودا ضمیر سے کھلواڑ اور اصولوں کا جنازہ نکال دیتے ہیں۔۔۔ کیوں کہ حصول اقتدار کے لیے دھاندلی اور پھر اقتدار کی بحالی کے لیے کاروائی دونوں ہمارے لیے باعث پریشانی و مصیبت بن جاتی ہے۔ [۱۳]

شبنم قیوم کو کشمیر کی تاریخ کو اپنی ناول میں پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ کشمیر کی آنے والی نسلیں ناکامیوں کے اسباب ضرور ڈھونڈے گے اور وہ اس ناول کو پڑھ کر تاریخی اور تحریکی واقعات سے معلومات حاصل کریں گے اور حق خودداریت کی خاطر پچھلے سالوں سے اس جدوجہد اور پھر رکاوٹوں اور دغے بازوں کے سیاسی کھیل کی حیرت انگیز حالات جان کر افسوس ظاہر کریں گے۔ پھر ان کی رگوں کا خون بھی ان حالات کو جان کر کھول اٹھے گا۔ یہ ظاہر ہے کہ اپنوں کی دھوکہ بازی سے نامرادی کسمپرسی اور کمزوری پر نادم ہوں گے۔ اس ناول کو تحریر کر کے شبنم قیوم کا یہی مقصد تھا کہ نئی نسل کے اندر اس غلامی کا توق توڑنے کا جذبہ ابھرے اور ان حالات اور نقطوں سے باور کرایا جن کی وجہ سے کشمیری قوم اپنا حق خودداریت کا وقار کھو بیٹھی ہے۔ ان تمام حالات و واقعات کو پیش کر کے ان کا یہی مقصد تھا کہ نئی نسل ان تمام حالات کو مدنظر رکھ کر حصول آزادی کے لیے قدم اٹھائیں گے۔ جیسا کہ ان کے ایک ملاقات میں وہ خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں:

> ان حالات کو پیش کرنے کا میرا مقصد صرف یہی تھا کہ جو دجہد آزادی سے پہلے ہم پر ہونے والی سیاسی کھیل کو سمجھ لیں جن کی وجہ سے ہم کو اپنے حق خودداریت میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے پس نئی نسل کو ان تمام سیاسی کھلاڑیوں کے ہتھکنڈوں کو ذہن میں رکھ کر قدم اٹھائیں کے اور سوچ و فکر میں کامیابی کا نقشہ لے کر آگے بڑھیں گے تو ضرور کامیاب ہو سکیں گے۔ [۱۴]

شبنم قیوم نے اس ناول میں نڈر اور بے باکی کا ثبوت پیش کیا ہے۔خاص کر انھوں نے کشمیر پر ہونے والی اس سیاست کا پردہ چاک کیا ہے جس کی وجہ سے خوش حال کشمیر کو درد و غم کی اندھیری کوٹھری میں دھکیل دیا ایسی سیاست کرنے والوں کا چہرہ بے نقاب کیا ہے۔اور کشمیریوں کی دکھتی نبض کو بھی دیکھانے کی کوشش کی ہے۔خاص کر شیخ محمد عبداللہ اور ان کے بیٹے فاروق عبداللہ کے کھو کھلے نعروں ان کے جھوٹے وعدوں کو بے نقاب کیا۔کشمیری عوام کو رسوا کر کے اپنی کرسی کے لیے ان کے حقوق کا سودا کیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آگ میں دھکیل دیا:

> فاروق جب اقتدار پر براجمان ہوا تو نہ صرف ان کے پَر پھڑ پھڑانے لگے۔بل کہ اس نے میری بلی میری میاؤں والی پالیسی اپنائی اور ایسی حرکات کیں جو ناقبلِ برداشت بن گئیں۔۔۔فاروق کے ساتھ ہم نے اس قسم کی ہمدردی ان کے ساتھ حرکات مخصوص رکھی ہیں جو اول اور آخر ہمارے مفادات کا خیال رکھیں، ہمارے سامنے سر جھکا کر حاضر ہو جائیں اور آنکھیں نیچی رکھ کر ہاتھ جوڑ کر بات کریں۔۱۵

سیاستدانوں اور حکمرانوں کے کام کاج کی سوچ اور اپروچ کی نشان دہی کرنا قلم کی حق ادائیگی میں شامل ہے۔سیاست دان اور حکمران اگر صحیح فرائض انجام دے رہا ہے تو ان کے کارناموں کو سراہنا اور داد دینا، اگر کوتاہی برتی جا رہی ہے تو اس پر نقطہ دائر کرنا قلم کار کے فرائض میں شامل ہے۔لہذا ان فرائض سے کوتاہی نہیں برتی جا سکتی اور نہ ہی ایک حساس ذہن خاموش رہ سکتا ہے پس شبنم قیوم نے بھی یہ ایک فرائض سمجھ کر ان واقعات کو اپنے ناول "یہ کس کا لہو ہے کون مرا "میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوئی ہے کہ شیخ محمد عبداللہ اور ان کے بیٹے فاروق عبداللہ نے کشمیریوں کی سادگی کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے اقتدار کے لیے اٹھایا۔یہ ان کی ایک بہت بڑی بہادری نہیں بل کہ کمزوری ہے۔اسی کو اندھی سیاست کا نام دیا جاتا ہے۔جس کی وجہ سے بیرون کشمیر کی ان طاقتوں نے بھی جموں کشمیر میں قدم جما کر ہمیشہ قتلِ عام کا بازار گرم کیا ہے اسی اقتداری لالچ کا سارا خمیازہ بد قسمت کشمیری قوم کو بھگتنا پڑ رہا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیخ خاندان نے خطہ جموں و کشمیر کی حق خودداریت اور خود مختاری اقتدار کے ساتھ منسوب رکھی ہے پس اقتدار ہے تو الحاق ہے اقتدار نہیں تو الحاق بھی نہیں پس ان کی سوچ رہی ہے۔

> اقتدار کے بغیر ہمارا جینا محال ہے اور اقتدار کی اس وراثت کو اپنی نسل تک بحال رکھنا ہماری ضرورت ہے ۔۔۔تمہارے پاس اقتدار کی کمزوری ہے۔۔۔لہذا اقتدار کے لیے زندہ رہنے کا فیصلہ کر لیا۔۱۶

شیخ عبداللہ نے کشمیری عوام کے حقوق کا سودا کر کے اقتدار کی کرسی حاصل کی ہے لیکن یہ خیال نہیں رکھا کہ ایک بار کوئی گھر میں گھس جائے تو اس کو نکالنا بڑا ہی مشکل ہے پس کشمیریوں کی ساتھ ایسا ہی ہوا ہے۔اب بیشک شیخ خاندان اپنی

لاکھ صفائیاں پیش کرے، لیکن کشمیری عوام کے دلوں سے اس خاندان کی غداری کا داغ کبھی نہیں مٹ سکتا ہے۔ شیخ عبداللہ نے کشمیریوں کو حق خودارادیت چھین کر اس حق کو معدوم کرنے کے واحد ذمہ دار ہیں۔اور ان کے نقشے قدم پر چلنے والا ان کا بیٹا فاروق عبداللہ بھی خود مختاری کا سودا کر کے اس کی بیخ کنی کرنے کا ذمہ دار ہے۔ان باپ بیٹے نے ایسا سیاسی کھیل صرف اپنے ذاتی اقتدار اور کرسی کے لیے کیا جو حالات کے ساتھ ساتھ وقت نے ثابت کر دیا ہے۔اس حوالے سے شبنم قیوم کا کہنا ہے کہ:

> میں سیاست کا دشمن نہیں ہوں کیوں کہ انسانی زندگی میں سیاست بھی ایک اہم جز رہی ہے اس لیے کہ سیاست حکومت سازی کی بنیاد ہے حکومت آئین اور قانون دیتی ہے۔ قانون اور آئین اس کا لائحہ عمل دیتا ہے پس میں اس سیاست کے موقف کا حامی نہیں ہوں جس سیاست میں جھوٹ،فریب،دغہ بازی ہو اور ہمیشہ حقوق پامال کیے جاتے رہیں پس میری ہمیشہ سیاسی موقف یہی ہے اور رہے گا بھی کہ جس سیاست میں حقوق کی پامالی نہ ہو جس سیاست سے ظلم وجبر کا خاتمہ ہو میں اسی سیاست کا حامی ہوں۔۱۷

مذکورہ بالا بیان سے جہاں شبنم قیوم نے ان سیاسی لوگوں کو بے نقاب کیا ہے جنھوں نے سیاست کا غلط استعمال کر کے جموں وکشمیر کے امن وامان کو درہم برہم کیا ہے اور کشمیری عوام کے اصل حقوق پر ہمیشہ چادر ڈال کر پردے میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ ناول نگار کے اندر نڈر، بے باکی اور غیر جانبداری کا نقطہ ہمیشہ اس کے ذہن پر حاوی ہوتا ہے پس شبنم قیوم نے بھی اپنے سیاسی نظریے کو ان ہی پہلو پر تعمیر کیا ہے۔موصوف کا تخلیق کردہ ناول سے وطن عزیز کے ساتھ محبت کا واضح اظہار ہے۔اس ضمن میں شبنم قیوم کا کہنا ہے کہ:

> مجھے اپنے وطن عزیز سے بے پناہ محبت ہے میں اس پر ہونے والی گندی سیاست کو کبھی نہیں برداشت کر سکتا اور نہ ہی اس سیاست سے پیدہ شدہ مسائل کو دیکھ سکتا ہوں میرا دل اب اس طرح کا مضبوط رہا ہے کہ سیاست اور طاقت کے بل پر میرے وطن کے باسیوں کا ان کے اصل حقوق سے محروم رکھا جائے میں ایسے سیاست دانوں کے خلاف اپنے قلم سے سراپا احتجاج کرتا رہوں گا اور اصل حقیقت کو سامنے رکھنے سے کبھی گریز نہیں کروں گا۔میں کشمیر لکھوں گا میں حق لکھوں گا اپنی آخری سانس تک پس میرا یہی سیاسی موقف ہے۔۱۸

مذکورہ بالا سطور سے بھی ناول نگار کا موقف واضح ہوا ہے۔اس میں شک نہیں کہ شبنم قیوم نے بہت لکھا ہے اور آج کی تاریخ میں بھی کچھ نہ کچھ صفحہ قرطاس پر اتارتے ہیں۔مذکورہ بحث میں شبنم قیوم کے تخلیق کردہ ناول جس میں انھوں

نے کشمیر کی تقسیم سے لے کر آج کی تاریخ تک داستان بیان کی ہے پس شبنم قیوم بھی اپنی تخلیق سے سچ کے داعی کے طور پر ہمارے سامنے ابھرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جس کے لیے انھوں نے ہر محاذ پر جنگ لڑی ہے اور لڑ رہے ہیں:

> خون خرابہ تب تک بند نہیں ہوگا جب تک آزادی اور غلامی کا مسئلہ حل نہیں ہوگا اگر آپ نے یہ جان لیا ہے کہ آپ کے ظلم و جبر اور قہر سے تنگ آکر میں آپ کی تجویز قبول کروں گی تو یہ آپ کی بھول ہے۔ ۱۹

شبنم قیوم نے ناول "یہ کس کا لہو ہے کون مرا" اس سے پہلے بھی ناول اور افسانے لکھے ہیں۔ جو ریاست اور بیرون ریاست کے مختلف رسائل و جرائد میں چھپ کر ہمارے سامنے آتے رہے جیسے کہ ۱۹۷۱ء میں "ایک زخم اور سہی" کے نام سے ان کا پہلا افسانوی مجموعہ منظر عام پر آیا اس میں پانچ افسانے ہیں۔ ۲۰ ان کی تخلیق کا معیار اس نقطے سے بھی عیاں ہوتا ہے کہ ان کے اس مجموعہ کا پیش لفظ معروف فکشن نگار کرشن چندر نے لکھا۔ اس مجموعہ کے مطالعہ کے بعد بھی ہمیں وادی کشمیر کے مسائل کی عکاسی نظر آتی ہے۔ اس طرح شبنم قیوم کی دوسری تخلیقات پر نظر ڈالی جائے تو ان میں بھی سیاسی نقطہ نظر ابھرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھوپی نہیں ہے کہ شبنم قیوم نے سیاست کے دباؤ سے اپنے قلم کو روکا ہو اور ادب کی خدمت کو ترک کیا ہو۔ بل کہ ناول "یہ کس کا لہو ہے کون مرا" اس کے بعد ان کی ضخیم تخلیقات کا اضافہ دیکھنے کو ملتا ہے وہیں ان کی تحریروں میں زیادہ سے زیادہ سیاسی موقف نظر آتا ہے:

> اگر شیخ صاحب ان حالات سے قطعاً بے خبر تھا اور انہیں اس کا ذرہ بھی گمان نہ تھا تو یہی کہا جا سکتا ہے وہ ہر گز دور اندیش سیاستدان نہیں تھا اور تو اور وہ ایک ناکام حکمران تھا۔ جن سیاستدانوں اور حکمرانوں کی نظر مستقبل پر نہ ہو، تاریخ میں وہ ناکام سیاستدان اور ناکام حکمرانوں ہیں۔ ناکام سیاستدان اور ناکام حکمران ہونا اس رعایا کی بڑی بن بختی ہے جس کے حصے میں نظم و نسق چلانے کے لیے یہ آتے ہیں۔ ۲۱

'یہ کس کا لہو ہے کون مرا اس کی شہرت نے شبنم قیوم کو پردہ داد نہیں رہنے دیا۔ بل کہ اردو ادب کی دنیا میں اور سیاسی محاذ پر اس کے بہت چرچے بھی ہوئے۔ اور یہ خوب فروخت ہوا، بیرون ممالک میں بھی اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ شبنم قیوم کی اس سیاسی موقف کو بدلنے کے لیے بہت سے ہتھکنڈوں کا استعمال کیا گیا کبھی کوئی دھمکی کبھی جان سے مارنے کی دھمکیاں دی گئی لیکن ان دھمکیوں اور مخالفتوں کے باوجود بھی شبنم قیوم نے حقیقی حالات و واقعات کو قلمبند کر کے جس نڈر اور جرت مندی کا مظاہرہ کیا اس کی مثال پوری وادی میں کوئی نہیں مل سکتی ہے۔ اس ناول کے بعد شبنم قیوم نے جو اہم کام کیا ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ یعنی کہ ۱۹۸۹ء میں کشمیر کا سیاسی انقلاب جو کشمیر بک ڈپو سری نگر کے زیر اہتمام سے پہلی بار طبع ہو کر منظر عام پر آیا۔ ۲۲ یہ ضخیم کتاب پانچ جلدوں پر

مشتمل ہے۔اس میں بھی انھوں نے ظلمات کے سیاسی دیوتاؤں کا اصلی چہرہ بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کے اس کام کو بھی خوب سراہا گیا۔اس کے پیچھے بھی انہیں مشکلات کا بہت سامنا کرنا پڑا لیکن اس کی وجہ سے انہیں اردو ادب میں ایک دور بین محقق اور محنتی مورخ جیسے ناموں سے بھی شہرت ملی۔ پھر اس کے بعد ۱۹۹۶ء مینخواتین کی بے حرمتی ۱۹۹۸ء میں جو کہوں گا سچ کہوں گا ۲۰۰۴ء میں سیکس پولیوشن وغیرہ جیسے موضوعات پر لکھا ہے ۲۳ سیاسی رجحان کی تحریریں شبنم قیوم نے تاریخی ناول کے بعد لکھی ہے اور آج بھی لکھ رہے ہیں۔

اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ شبنم قیوم کی تحریروں میں سیاسی نقطہ نظر صاف جھلکتا ہوا نظر آتا ہے یہ کس کا لہو ہے کون مرا اس کے بعد انھوں نے زیادہ سیاست کے حوالے سے لکھا ہے اور ان مسائل کا خاکہ پیش کیا ہے جن سے وادی کے عام فرد کی زندگی دشوار گذار بنی ہوئی ہے موصوف کی اکثر تخلیقات کشمیر کے مسائل اور سیاست کے حوالے سے نظر آتی ہیں۔

شبنم قیوم کے ناول، افسانوں اور تخلیقات میں جموں و کشمیر کے مسائل اس لیے نظر آتے ہیں۔کیوں کہ انہیں اپنے وطن سے بے تحاشی محبت ہے جو ان کی ہر تحریر و تخلیق میں چھلکتی نظر آتی ہیں یہ کس کا لہو ہے کون مرا میں یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ انھوں ان سیاسی ٹھکیداروں کا پردہ چاک کیا ہے جن کی وجہ سے آج کی تاریخ میں وادی کشمیر کے پیٹ پر گم نام قبرستانوں کی کوئی گنتی نہیں ہے۔جن کی ناپاک حرکتوں سے آج کی تاریخ میں بھی کشمیر کی سرزمین طرح طرح کے مظالم اور مسائل کا شکار بنی ہوئی ہے۔موصوف نے اس ناول میں اصل کشمیر کا نقشہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور ہمارے ان والیوں نے سیاست کا کھیل کھیل کر کشمیر کے نقشے پر کیسا سیاہ دھبہ لگایا ہے۔

شبنم قیوم کی تحریروں اور تخلیقات میں بار بار کشمیر کا ذکر کیوں آتا ہے۔کیوں کہ یہ حقیقت ہے کہ اپنے گھر پر کوئی بھی فرد کسی کی غیر نظر کو برداشت نہیں کر سکتا ہے پس آئے دن شبنم قیوم کے ذہن پر بھی اسی فکر کے نقطے نے گھر کیا ہوا ہے اسی لیے وہ اپنے سیاسی موقف پر ڈھٹے ہوئے ہیں اور ہر محاذ پر چاہے ادب ہو یا سیاست ہو ہر موڑ پر کشمیر کی اصل حقیقت کو تاریخی آیئنے کے تحت اور کشمیریوں کے مسائلسے آشنا کروا رہے ہیں۔

مختصراً یہ کہ مندر بالا بحث سے شبنم قیوم کے سیاسی نظریے کو باور کرانے کی کوشش کی ہے۔شبنم قیوم کے سیاسی موقف کو موضوع بنا کر اور ان کی تخلیق کردہ ناول "یہ کس کا لہو ہے کون مرا "کو سامنے رکھتے ہوئے راقم الحروف نے کشمیر کی سیاست اور شبنم قیوم کے سیاسی موقف کو اپنی تحقیقی نقطہ نظر سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ راقمہ، شبنم قیوم کا شخصی انٹرویو، وقت ،۴۵: ۱۲۔ بمقام سرینگر: بتاریخ ۱۰/ ۱ اکتوبر ۲۰۲۰ء۔

۲۔ شبنم قیوم، کشمیر کا سیاسی انقلاب (جلد اوّل)، (دہلی: آفیسٹ پرنٹرس، ۱۹۸۹ء)، ص ۱۴۔

۳۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا (ساتواں ایڈیشن)، (دہلی: آفیسٹ پرنٹرس، ۲۰۰۲ء)، ص ۱۴۲۔

۴۔ ایضاً، ص ۱۲۔

۵۔ راقمہ، شبنم قیوم کا شخصی انٹرویو، وقت ،۴۵: ۱۲۔ بمقام سرینگر: بتاریخ ۱۰/ ۱ اکتوبر ۲۰۲۰ء۔

۶۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا، ص ۷۔

۷۔ ایضاً، ص ۱۴۶۔

۸۔ راقمہ، شبنم قیوم کا شخصی انٹرویو، وقت ،۴۵: ۱۲۔ بمقام سرینگر: بتاریخ ۱۰/ ۱ اکتوبر ۲۰۲۰ء۔

۹۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا، ص ۴۶۔

۱۰۔ راقمہ، شبنم قیوم کا انٹرویو، بمقام سرینگر: وقت ۴۵: ۱۲۔ بتاریخ ۱۰/ ۱ اکتوبر ۲۰۲۰ء۔

۱۱۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا، ص ۱۵۱۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۵۱۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۴۸۔

۱۴۔ راقمہ، شبنم قیوم کا شخصی انٹرویو، وقت ۴۵: ۱۲۔ بمقام سرینگر: بتاریخ ۱۰/ ۱ اکتوبر ۲۰۲۰ء۔

۱۵۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا، ص ۱۴۷۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۵۷۔

۱۸۔راقمہ، شبنم قیوم کا شخصی انٹریو، وقت ۴۵:۱۲۔ بمقام سرینگر: بتاریخ ۱۰/۱ اکتوبر ۲۰۲۰ء۔

۱۹۔ شبنم قیوم،یہ کس کا لہو ہےکون مرا،ص۱۵۲۔

۲۰۔مشرف فیاض ٹھوکر،شبنم قیوم بحیثیت افسانہ نگار(مقالہ برائے ایم۔فل،حیدر آباد سینٹرل یونی ور سٹی ۲۰۱۴ء)،ص۱۲۔

۲۱۔ شبنم قیوم،یہ کس کا لہو ہے کون مرا،ص۱۴۲۔

۲۲۔مشرف فیاض ٹھوکر،شبنم قیوم بحیثیت افسانہ نگار،ص۱۲۔

۲۳۔ایضاً،ص۱۲۔

ماحصل

تحقیق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بر صغیر کی تقسیم کے بعد کشمیر اُردو ادب میں ایک اہم موضوع کی حیثیت سے سامنے آیا ہے اور مختلف اصنافِ ادب مثلاً شاعری، افسانہ اور ناول وغیرہ میں اس کے مختلف پہلو سامنے آئے ہیں۔ جب ہم اردو ادب میں خاص طور پر اردو ناول میں اس موضوع کا جائزہ لیتے ہیں تو اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ گزشتہ کئی دہائیوں سے ریاست جموں و کشمیر ایک ایسی صورت حال کی گرفت میں ہے جہاں تشدد اور احتجاج کا غلبہ ہے۔ اس جدوجہد کا اثر جہاں ہر شعبہ ہائے زندگی پر پڑا وہاں تخلیق کار بھی اس سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکے۔ انسان جس معاشرے اور ماحول میں پیدا ہوتا ہے وہ اس معاشرے سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ ادیب چونکہ معاشرے کا حساس فرد ہوتا ہے اس لیے وہ عام لوگوں کی نسبت زیادہ متاثر ہوتا ہے اور پھر وہ اپنی قوم اور معاشرے کے ماحول کو صفحہ قرطاس پر لا کر ان کے دکھ درد کو نرالے طریقے سے پیش کرتا ہے۔

اس مقالے میں شبنم قیوم کے ناول یہ کس کا لہو کون مرا میں سیاسی و سماجی مسائل کی عکاسی کا جائزہ لینے کی گئی ہے ۔ سب سے پہلے جموں و کشمیر میں اردو ناول نگاری کی روایت کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس کے بعد شبنم قیوم کے ناول میں تاریخی واقعات کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے اور آخر میں شبنم قیوم کا سیاسی و نظریاتی موقف (یہ کس کا لہو کون مرا) کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

شبنم قیوم کا ناول یہ کس کا لہو کون مرا سیاسی و تاریخی ناول ہے۔ ناول نگار نے اس ناول میں انتہائی فکر انگیز خیالات کا اظہار کیا ہے جن میں معاشرتی اور سماجی حقائق کو موثر طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ ایک سچا اور حقیقی ناول ہے جو کشمیر کے معاشرے کی کی مکمل تصویر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس ناول میں شبنم قیوم نے کشمیریوں کی مایوسیوں اور محرومیوں کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

اس ناول میں شبنم قیوم نے تاریخ کے مختلف ادوار کو تہہ در تہہ کھولا ہے۔ اس ناول میں انگریزوں اور ڈوگرہ وعہد کے بیع نامہ امر تسر کو دکھایا گیا ہے کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف استحصالی اور جارح قوتوں نے کشمیر میں اپنے پنجے گاڑے ہیں۔ جس طرح کشمیر میں جب انگریز قابض ہو گئے تو چند روز بعد ہی انھوں نے امر تسر معاہدہ کے تحت کشمیر اور اس کے باسیوں کو گلاب سنگھ ڈوگرہ کے ہاتھوں کوڑیوں کے مول فروخت کر دیا۔ ناول نگار نے مزید دکھایا ہے کہ کشمیری مسلمانوں نے کبھی بھی ڈوگرہ حکومت کو دل سے قبول نہیں کیا تھا جب ڈوگرہ ہندو حکمرانوں نے طاقت کے بل بوتے پر

کشمیری مسلمانوں کو کچل دینے کی کوشش کی تو ان کے دلوں میں میں حکمرانوں کے خلاف نفرت مزید شدت اختیار کر گئی۔اس نفرت کااظہار جب وہ وقتاً فوقتاً کرنے لگے تو وہ ڈوگرہ سپاہیوں کی گولیوں کانشانہ بنتے رہے۔

اس جنگ وجدل کے بعد ناول نگار نے کشمیر کی صورت حال کو عکاسی جرات مندانہ اور حقیقت پسندانہ رویہ سے کیسے کہ تقسیم کے بعد قبائیلوں نے کشمیر پر حملہ کر دیا جس نے ایک نئی صورت حال پیدا کر دی۔اس وقت شیخ عبداللہ جیل سے رہاہو کر عوامی قائد کی حیثیت سے تسلیم کراچکے تھے۔چنانچہ نظم ونسق کاکام ان کے سپرد ہو گیا تھااس کام میں ان کے وہ معاون ان کے وہ ساتھی تھے جو آزادی کی لڑائی میں ان کے ہمراہ تھے یہ وہ حالات تھے جس سے متاثر ہو کر شبنم قیوم نے اس ناول کاانتخاب کیااور یاداشتوں کے طور پر تاریخی واقعات کو رقم کر کے نئی نسل کو سوچنے کی ترغیب دی۔

شیخ عبداللہ کی تنظیم جو ڈوگرہ دور میں مسلم کانفرنس کے نام سے آزادی کشمیر کے نام سے بر سر پیکار تھی اب جب کہ نہرو کے دوست ہونے کے ناطے یہ تنظیم نیشنل کانفرنس میں تبدیل ہو گئی تھی۔ نیشنل کانفرنس کے بعد شیخ عبداللہ اور ان کے رفقاء نے حق خود داریت کے موقف سے انحراف کیااور اپنی طویل جدوجہد کی تحریک یعنی رائے شماری کوانھوں نے سیاسی آوارہ گردی سے تعبیر کیا۔اس واقعے سے کشمیریوں کادل نوحہ کناں ہوااور ان پر ظلم وبربریت کا بازار عام ہوا، قتل وغارت گری،لوٹ مار وغیرہ جیسی صورت حال دیکھنے کامیں آئی۔

اس ناول میں دکھایا گیاہے کہ وادی کشمیر پہلے ڈوگرہ سامراج کی ہوس لالچ سے غیر منصفانہ صورت حال کا شکار ہوئی اوراس کے بعد کے ادوار میں ہندو سامراج نے اس خطے کے ارد گرد اپنی سازشوں کا جال اس طرح بچھایا کہ وہاں کے عوام کی زندگی ابتلاءوآزمائش کاشکار ہو گئی ان مشکل ترین حالات میں زندگی گزارنے کے بعد ہر ذی روح بے قرار، قلب بے چین ،ذہن گھٹن کا قیدی، ہر آنکھ آنسوں ذدہ ہر لب پر رحم وکرم کی دعائیں ہوتی ہیں۔صدیوں کے بعد کشمیریوں نے جو آزادی کے خواب دیکھا تھاوہ محض ایک خوب ہی رہ گیا۔

اس ناول میں شبنم قیوم نے اشوک اور محمود کے کردار کے ذریعے دکھایاہے کہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان نفرت کا بیج شیخ عبداللہ نے بویاہے کہ انھوں نے اپنے اقتدار کے خاطر دنیا کو مسئلہ کشمیر دیااور اس مسئلے نے ہندوستان اور پاکستان کو ایک دوسرے کادشمن بنادیا جس کی وجہ سے ہندوپاک کے درمیان آئے روز تباہی وبربادی کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ناول نگار نے اصل حقیقت سے آگاہ کراکے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ مسئلہ کشمیر شیخ عبداللہ کا پیدا کردہ ہے اگر مسئلہ کشمیر نہ ہوا ہوتا تو پاکستان اور ہندوستان ایک دوسرے کے دوست ہوتے اور دوسرا انھوں نے کشمیر کے سادہ لوح

عوام کو ایک ایسے راستے پر کھڑا کیا جہاں وہ اس پیدا کردہ مسئلے کو دیکھ کر احتجاج و مزاحمت کرتے ہیں تو ان کے اس جدوجہد و آزادی کی آواز کو طاقت کے بل دبایا جاتا ہے۔

اس ناول میں ناول نگار نے یہ بھی بتایا ہے کہ تقسیم کا واقعہ برصغیر کی تاریخ میں ایک ایسا المیہ ہے جس کی دل دوز یادوں کا شکنجہ آنے والی نسلوں کو صدیوں تک کسوتا رہے گا۔ تقسیم ملک کے واقعات اگرچہ پوری دنیا کی تاریخ میں انسانیت سوز واقعات کے لیے یاد رکھیں جائیں گے تاہم انڈیا اور پاکستان دونوں ممالک میں کہی نا کہی اطمینان کی لہر دوڑ گئی مگر اُس بد نصیب ریاست جموں و کشمیر کی تاریخ اب تک دور نہ ہو سکی۔

اس ناول میں ناول نگار نے شیخ عبداللہ کا ذکر کافی تفصیل سے بیش کیا ہے۔ شبنم قیوم نے بڑی بے باکی سے شیخ عبداللہ کا اصلی چہرہ قارئین کے سامنے لانے کی بھرپور کوشش کی ہے کہ ڈوگرہ راجہ ہری سنگھ کے دل میں آزاد ریاست بنانے کا سودا سمایا ہوا تھا۔ لیکن جب مختلف دباؤ کے تحت اس کو ہندوستان سے الحاق کرنے پر مجبور کر دیا گیا تو مرکزی حکومت کو خطرہ تھا کہ کشمیر میں اس کا شدید ردِ عمل ہوگا۔ اس موقوع پر پنڈت جوہر لعل نہرو نے شیخ عبداللہ کی کشمیر میں مقبولیت کا فائدہ اُٹھا کر اس کو ریاست جموں کشمیر کا وزیر اعظم بنادیا۔ شیخ عبداللہ نے کسی حد تک عوام کے جذبات پہ یہ کہہ کر قابو پالیا کہ یہ مکمل آزادی کی طرف پہلا قدم ہے اس کے بعد پنڈت نہرو نے شیخ عبداللہ پر کشمیر کو ہندوستان سے الگ کرنے کی سازش کا الزام لگا کر بر طرف کر کے جیل میں ڈال دیا۔

طویل عرصے کے بعد جب شیخ محمد عبداللہ جیل سے رہا ہوئے تو انھوں نے حکومت کے ساتھ مفاہمت کے لیے بات جیت شروع کر دی جس کا نتیجہ ۱۹۷۴ء کے اندرا عبداللہ معاہدہ کی تحت اندرا گاندھی نے ان کو کشمیر کا وزیر اعلیٰ بنا دیا ۔ناول نگار نے اس ناول میں شیخ عبداللہ کی دوغلی پالسی کو بے نقاب کیا ہے جنھوں نے اپنے اقتدار کے خاطر سادہ لوح عوام کو آزاد ملک کا سبز باغ دکھا کر اپنے پیچھے لگائے رکھا اور اس مقبولیت کا فائدہ اُٹھا کر اقتدار کی کرسی حاصل کرتا رہا اس ساری صورت حال کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے اس میں شیخ عبداللہ ہیرو سے زیادہ ولن نظر آتے ہیں۔

شبنم قیوم نے اس ناول میں وادی کشمیر کی صورت حال کا دیانتدارانہ تجزیہ کرتے ہوئے دکھایا کہ ریاست جموں وکشمیر میں مرکزی حکومت کو اپنی گرفت میں رکھنے کے لیے وادی میں کٹھ پتلی حکومتیں قائم کی جاتی ہیں۔ شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے بعد بخشی غلام کی حکومت قائم کی گئی پھر گورنر جگموہن کو اقتدار سونپ دیا گیا اس کے بعد ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو کشمیر کا وزیر اعلیٰ بنادیا گیا۔

شبنم قیوم نے تاریخی اور حقیقی حالات و واقعات کو قلم بند کر کے ان حاکموں اور سیاسی ٹھیکداروں کا چہرہ بے نقاب کیا ہے جنھوں نے شروع سے لے کر آج تک کشمیر کے سادہ لوح عوام کے ساتھ استحصال پیکار کو ہمیشہ پروان چڑھانے کی کوشش کی ہے۔ حکومت سازی کے لیے لوگ جن کو اپنا ووٹ دے کر اپنا طاقت کا بازو بناتے ہے یں پھر وہی بازو مرکزی سرکار کو کندھا دے کر وادی کا ہندوستان کے ساتھ الحاق کا محافظ بن جاتا ہے۔

وادی کشمیر کی شروع سے ایسی صورت حال رہی ہے جس نے وادی گلپوش کا سکھ چین چھینا، ماؤں کی جھولیاں کر خالی کر دی گئی، بہنوں کو بھائیوں کی محبتوں سے محروم کیا اور بیویاں اپنے شوہروں کے انتظار کے لیے چھوڑ دیا گیا غرض ہر طرف خزاں کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ وادی کشمیر کے مظلوم عوام پر ظلم و ستم کرنے والے خود بھی جانتے ہیں کہ وادی میں ایسا کیوں ہو رہا ہے لیکن اقتدار کی ہوس اور مراعات نے انہیں اس قدر بے حس کر دیا کہ وہ کشمیریوں کے لیے کشمیری بننے کے بجائے حکومت کے وفادار بننے پر یقین رکھتے ہیں۔

کتابیات

احمد،اعجاز۔اردو ناول میں کشمیر بطور موضوع :تحقیقی جائزہ۔مقالہ برائے ایم۔فل، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد،۲۰۰۳ء۔

احمد،شکیل۔اردو افسانوں میں سماجی مسائل کی عکاسی (ابتداءسے۱۹۴۷ءتک)۔لکھنو:نصرت پبلشرز،۱۹۸۴ء۔

احمد،عقیل۔اردو ناول اور تقسیم ۔دہلی:موڈرن پبلشنگ ہاؤس،۱۹۸۱ء۔

احمد،فاروق۔ناول کیا ہے ۔کراچی:الکتاب،۱۹۶۵ء۔

آزاد،سید محمد۔حالات زندگی سردار فتح محمد خان کریلوی ۔راولپنڈی:ایس۔ٹی۔پرنٹرز گوالمنڈی، ۱۹۹۶ء۔

بٹ،ثناءاللہ۔کشمیر ۱۹۴۷ءسے ۱۹۷۷ءتک۔سرینگر:گاؤکدل،۲۰۱۶ء۔

بٹ،خواجہ محمد بشیر۔جموں و کشمیر کی درد ناک تصویر ۔لاہور:حنیف پرنٹرز،۲۰۱۶ء۔

بدکی،دیپک۔چنار کے پنجے(پہلاایڈیشن)۔دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس،۲۰۱۵ء۔

پریمی،برج۔جموں و کشمیر میں اردو ادب کی نشوو نما ۔جموں:رچناپبلی کیشنز،۲۰۱۳ء۔

توحیدی،ریاض۔کالے دیوؤں کا سایہ ۔سرینگر:میزان پبلیشرز،۲۰۱۴ء۔

توحیدی،ریاض۔کالے پیڑوں کا جنگل۔سرینگر:میزان پبلیشرز،۲۰۱۱ء۔

توحیدی،ریاض۔معاصر اردو افسانہ (تفہیم وتجزیہ)(جلداوّل)۔دہلی:روشان پرنٹرس،۲۰۱۸ء۔

ٹھوکر،مشرف فیاض۔شبنم قیوم بحیثیت افسانہ نگار۔مقالہ برائے ایم۔فل،حیدرآباد سینٹرل یونی ورسٹی ،۲۰۱۴ء۔

حسین،اعجاز(Hussain ,Ijaz)- *Kashmir Dispute:An International Law Prespective*۔پاکستان: قاعداعظم یونی ورسٹی،۱۹۹۸ء۔

حسین، شیخ شوکت(Facts of Resurgent Kashmir-(Hussain ,sheikh showket۔ سرینگر
: کشمیر انسٹیٹیوٹ، ۲۰۰۸ء۔

خان، سردار محمد عبدالقیوم۔مقدمہ کشمیر۔لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس، ۲۰۱۱ء۔

زرّین، صالحہ۔اردو ناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ(ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک)۔الہ آباد، سرسوتی
پریس، ۲۰۰۰ء۔

ساگر، طارق اسمٰعیل۔وادی لہو رنگ۔لاہور: زاہدہ نوید پرنٹرز، ۲۰۰۷ء۔

سالک، سلیم۔جموں و کشمیر کے منتخب اردو افسانے (پریم ناتھ پردیسی سے ترنم ریاض تک)۔ سرینگر
: میزان پبلیشرز، ۲۰۱۱ء۔

سروری، عبدالقادر۔کشمیر میں اردو۔ سرینگر: جموں اینڈ کشمیر ایکڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز، ۱۹۸۴ء۔

شاہ، نور۔جموں و کشمیر کے اردو افسانہ نگار ۔ سرینگر: میزان پبلیشرز، ۲۰۱۱ء۔

شبنم، قیوم۔نشانات۔ سرینگر: وقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء۔

شبنم، قیوم۔ایک زخم اور سہی ،سرینگر: میزان پبلیشرز، ۲۰۱۵ء)۔

عالم، خورشید۔"شبنم قیوم اور اس کا فن"مشمولہ، ماہنامہ مزاج بھوپال۔مارچ ۱۹۶۷ء۔

عبداللہ، شیخ محمد۔آتش چنار (پہلا ایڈیشن)۔ سرینگر: علی محمد اینڈ سنز، ۱۹۸۶ء۔

علی، لیاقت۔جموں و کشمیر میں اردو ادب (۲۰۰۰ سے ۲۰۱۳)۔ دہلی: ایم۔آر، پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء۔

قریشی، عرفان احمد۔رینزو شاہ کے افسانوں کا تحقیقی مطالعہ۔ سرینگر: گلشن بکس، ۲۰۱۱ء۔

قیوم، شبنم۔پچھتاوا۔ سرینگر: میزان سروز، ۲۰۱۵ء۔

قیوم، شبنم۔کشمیر کا سیاسی انقلاب(پانچ جلد)۔ دہلی: آفیسٹ پرنٹرس، ۲۰۰۷ء۔

قیوم، شبنم۔کشمیر میں عوتوں کی بے حرمتی ۔ سرینگر: وقار پبلی کیشنز،۱۹۹۶ء۔

قیوم، شبنم۔یہ کس کا لہو ہے کون مرا (ساتواں ایڈیشن)۔دہلی: آفیسٹ پرنٹرس، ۲۰۰۲ء۔

قیوم، شبنم۔آزادی کی تلاش۔سرینگر: وقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء۔

کاربل، جوزف(Korbel,Josef)*Danger in Kashmir*۔نیویارک: آکسفورڈیونی ورسٹی پرس، ۱۹۵۴ء۔

کشمیری، حامدی۔ریاست جموں و کشمیر میں اردو ادب۔سرینگر: گلشن پبلی کیشنز،۱۹۹۱ء۔

گیلانی، سید علی۔ولر کنارے (جلددوم)۔سرینگر: ملت پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء۔

لون، محمد اقبال (مرتب)۔نور شاہ :فکر اور فکشن۔سرینگر: میزان پبلیشرز، ۲۰۱۷ء۔

لیمب، الیسٹیر(Alaister,Lamb)*Crises in Kashmir1947-1966*۔لنڈن: روٹ لیج اینڈ کے گان۔۱۹۹۶ء۔

لیمب، الیسٹیر(Alastair, Lamb)*Kashmir A Disputed Legacy 1846-1990*۔نیویارک: آکسفورڈیونی ورسٹی، ۱۹۹۱ء۔

محمد، آزادجان۔کشمیر تاریخ کے آئینے میں۔سرینگر: جے۔کے۔بک شاپ، ۲۰۰۲ء۔

مدثر، رشید۔وادی کشمیر افسانوں کی دنیا میں۔کشمیر: کلچرل اکیڈمی، ۱۹۸۲ء۔

ملک، فتح محمد۔تحریک ِآزدی کشمیر (اردوادب کے آئینے میں)۔لاہور: سنگ میل کیشنز، ۲۰۰۱ء۔

منصور، احمد منصور۔"جموں و کشمیر میں اردو ادب کے پچاس سال "۔مشمولہ شیرازہ ۵۴ (جنوری۔مارچ ۲۰۱۶ء)، ص ۱۷۸۔

مہجور، نعیمہ احمد۔دہشت زادی۔سرینگر: میزان پبلیشرز، ۲۰۱۲ء۔

نورانی، اے۔ جی *(A.G.Noorani) Article 370:A Constitution of Jammu and Kahsmir*۔ نیویارک: آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۱۱ء۔

ہاشمی، محمود۔ **کشمیر اداس ہے** ۔ لاہور: زاہد پرنٹرز، ۱۹۹۴ء۔

ضمیمہ جات

ضمیمہ ۱

موضوع: شبنم قیوم کے ناول "یہ کس کا لہو ہے کون مرا" میں سیاسی اور سماجی مسائل کی عکاسی

ضمیمہ ۲

ناول کا سرورق

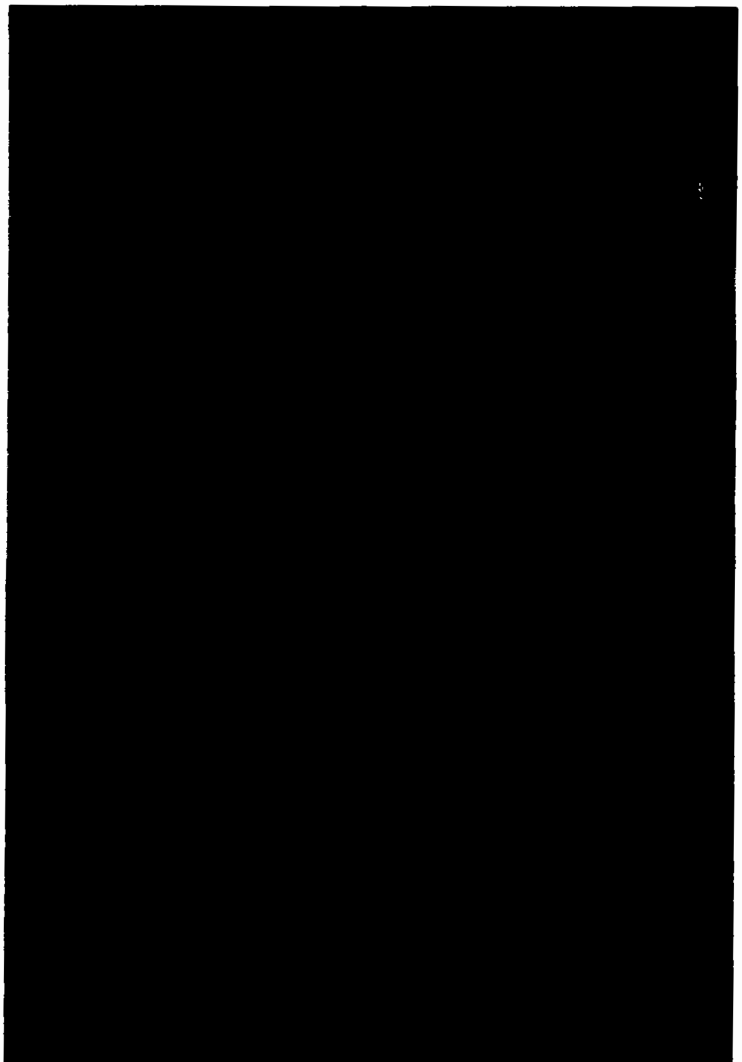

ضمیمہ ۳

مصنف شبنم قیوم کی تصویر

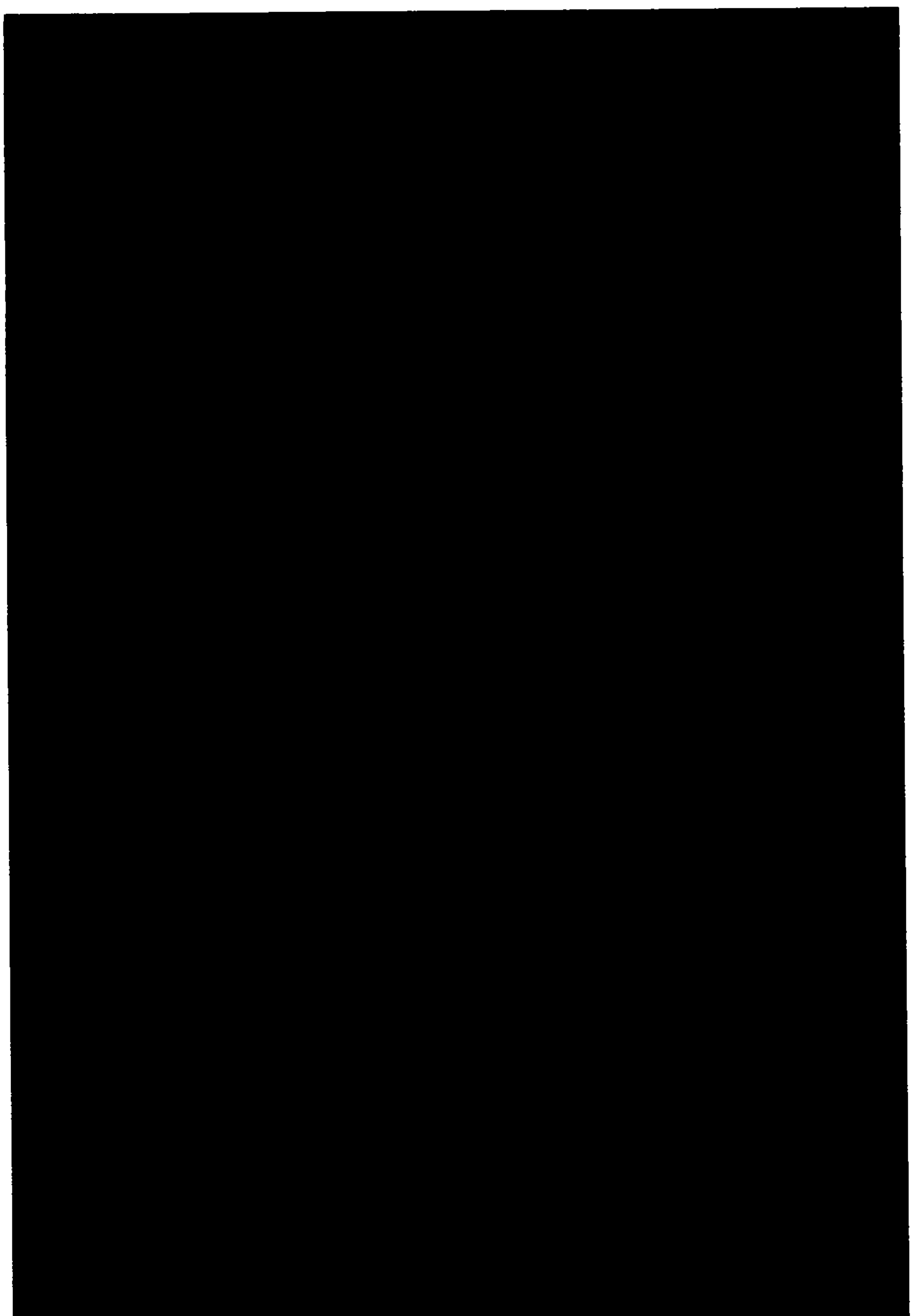

ضمیمہ ۴

مصنف کا تعارف:

ادبی اعتبار سے اگر ریاست جموں وکشمیر کے قدیم سرمائے پر نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں زمانہ قدیم سے ہی شعر وادب کی محفلیں سجتی رہی ہیں۔ لہذا ان محفلوں کے ذریعے شعر وادب کی ایسی شمعیں روشن ہوئیں جس کی وجہ سے نہ صرف کشمیر بلکہ برصغیر پاک وہند کے دوسرے مراکز بھی روشن ہوئے۔ اردو وہاں کی سرکاری زبان ہے جو ریاست کے تینوں خطوں میں بولی میں بولی سمجھی اور پڑھی جاتی ہے۔ اردو زبان کو پروان چڑھانے میں جن بڑے بڑے ادیبوں ،شاعروں اور فنکاروں کا نام لیا جاتا ہے ان میں ایک نام شبنم کا بھی ہے۔ جنہوں نے اپنے فن کے زریعے اردو ادب کی بے پناہ خدمت کی ہے۔ شبنم قیوم ایک ممتاز ناول نگار، افسانہ نگار اور ڈرامہ نگار ہیں۔

شبنم قیوم میدان ادب میں اس وقت اُبھرے جب ان کی عمر ۱۸ سال کی تھی ۱۹ سال کی عمر میں انھوں نے پہلا ناول "زندگی اور موت" لکھا اس ناول میں ان کے بلند خیالات اور ان کے فن کی پختگی خاص طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ اس ناول پر برسوں کے بعد "اندھا قانون" کے نام سے فلم بھی بنی البتہ شبنم قیوم کے نام کے بجائے ڈائرکڑ کا نام شامل تھا۔

شبنم قیوم کا اصل نام عبدالقیوم ریشی ہے۔ شبنم قیوم ان کا قلمی نام ہے ادبی حلقوں میں ان کو شبنم قیوم کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ ان کی پیدائش ۲/ڈسمبر ۱۹۳۸ء کو در گجن ڈلگیٹ کے دل آویز علاقے میں ہوئی جس کے بارے میں عام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہاں کی آب وہوا اردو ادب کو خوب راس آئی ہے۔

شبنم وقیوم کی ابتدائی تعلیم بوچھوارہ پرائمری اسکول میں ہوئی۔ ادب سے انہیں کافی لگاؤ تھا۔ ابتداء ہی سے افسانے سے دلچسپی تھی اور اکثر کہانیاں پڑھا کرتے تھے۔ وہ اپنے ماموں صوفی غلام محی الدین (سابق مدیر "مدیر شمیر") اور صوفی غلام محمد (سابق مدیر "روزنامہ سرینگر ٹائمز) کے گھر جاکر وہاں پر ادبی کتابیں اور رسالے حاصل کر کے بڑھتے تھے۔ پرائمری اسکول کے بعد ایس،پی اسکول امراکدل سری نگر میں داخلہ لیا۔ آٹھویں جماعت میں تعلیم کے دوران ایک

حادثے سے بائیں طرف کی پسلی ٹوٹ جانے سے تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔لگ بھگ پانچ سال تک اسکول جانے کے قابل نہ رہے۔اس دوران شبنم قیوم نے اپنے پڑوس کے استاد علی شاہ مصدر جو اردو فارسی کے نامور استاد تھے۔ان کے آگے زانوے ادب تہہ کیا۔اس کے بعد جامعہ علی گڑھ کے اردو بورڈ سے ادیب کا امتحان پاس کیا۔

۱۹۵۲ء میں ریاست کے ڈپٹی پرائم منسٹر بخشی غلام محمد کے ہاں گھریلو ملازمت اختیار کی بعد میں ڈپٹی پرائم منسٹر غلام محمد کے ہاں سے ملازمت ترک کر کے دوسری نوکری کی تلاش میں سر گرداں رہے۔مفلوک الحالی میں در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد ایک دکان کھولی جب اس سے کوئی گذارہ نہ ہو سکا تو بادامی باغ کنٹونمنٹ میں نوکری کی جستجو کی جو بار آور نہ ہو سکی،جنگلات کی طرف سے کوہ سلیمان میں درخت لگوانے کے لئے چند روز تک مزدوری کی لیکن یہ کام انہیں راس نہ آیا بعد میں علی شاہ مصدر کی سفارش پر محکمہ زراعت میں ڈیلی ویج کی ملازمت اختیار کی۔چند مہینوں تک ڈیلی ویج رہنے کے بعد ایک سالہ ٹرینگ کورس کے لئے انہیں منتخب کیا گیا۔ٹرینگ سے فارغ ہو کر ان کی پوسٹنگ ضلع اسلام آباد (انت ناگ) میں سیر کانلی گنڈ کی نرسری میں کر دی گئی۔اس کے ایک سال بعد انہیں راج باغ سرینگر کی نرسری میں تبدیل کیا گیااور اس کے ایک سال بعد نرسری باغ سے تبدیل کر کے محکمہ زرات کے شعبہ انٹومالوجی کی لیبارٹی مین بحثییت لیبارٹری اٹنڈنٹ تعینات کیا گیا۔کیڑے مکوڑے کی اس ریسرچ لیبارٹری میں انہوں نے بڑی لگن کے ساتھ کام کیا۔ان کی دلچسپی اور لگن نے ان کو ریسرچ کرنے پر مامور کیا کچھ مدت کے بعد انہیں ایگریکلچر کی ٹریننگ کے لیے منتخب کیا گیا۔ٹریننگ مکمل کرنے کے بعد انہیں لیبارٹری اسٹنٹ بنایا گیا۔۱۹۹۶ء میں شبنم قیوم ملازمت سے جب سبکدوش ہوئے اس وقت ان کی عمر ۵۸ سال کی تھی۔

شبنم قیوم ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں وہ بیک وقت ادیب اور فکشن نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے صحافی بھی ہیں ۱۹۵۳ء سے لے کر ۱۹۵۷ء تک مقامی اخبارات اور رسائل میں روزمرہ حالات پر مضامین اور تبصرہ لکھا کرتے تھے۔سیرینگر سے قاضی نصیرالدین فرخ کے ماہنامہ "جھرانا" کی ادارت کی،اس کے علاوہ پیر غیاث الدین کے اخبار "چنار" کے لیے بھی کالم لکھے۔شبنم قیوم بحثییت ایک ادیب اور ڈرامہ نگار کلچرل اکیڈمی کے ساتھ بھی وابستہ رہے ۔ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد باقاعدگی کے ساتھ صحافت کا پیشہ اختیار کیا۔روزنامہ "سرینگر ٹائمز" میں دو سال

تک ملازمت کی اس کے بعد ۲۰۰۳ء میں اپناذاتی ہفت روزہ اخبار "قومی وقار" سرینگر سے شائع کیا جو بدستور آج تک شائع ہو رہا ہے۔

۱۹۶۵ء میں شبنم قیوم کی شادی ہوئی اس وقت ان کی عمر ۲۷ کی تھی۔ ان کی شادی سری نگر کے بربر شاہ علاقے میں ایک معزز خاندان میں حبیب اللہ بٹ کی صاحبزادی شہزادہ بیگم سے ہوئی۔ شہزادہ بیگم ایک مہذب خاتون ہونے کے ساتھ ساتھ خوش اخلاق بھی ہیں۔ جن کا ساتھ شبنم قیوم کی ادبی زندگی میں رکاوٹ نہیں بنا بلکہ انہیں ہمیشہ ان سے تحریک ملتی رہی۔

شادی کے ڈیڑھ برس بعد محترم شہزادہ بیگم کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کے ایک برس بعد ایک اور لڑکی پیدا ہوئی جو بچپن میں ہی اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئی۔ ان کی بیٹی کا نام شگفتہ قیوم ہے جو محکمہ آرکائز میں لائبریرین کے پوسٹ پر فائز ہے۔ ان کا نکاح میر جمشید احمد سے ہوا جو محکمہ آرکیولاجی (Archeology) میں ایک اہم عہدے پر مامور ہے۔ شبنم قیوم کے صاحبزادے کا نام شاہنواز قیوم ہے جو جنرل آفس میں ایک اہم عہدے پر فائز ہے۔

شبنم قیوم جموں و کشمیر کے اردو ادب میں ایک اہم نام ہے۔ گذشتہ کئی برسوں سے اپنی کہانیوں اور ڈرموں وغیرہ کے ذریعہ قارئین سے خراج تحسین حاصل کر رہے ہیں۔ ان کو درج ذیل انعامات سے نوازا گیا ہیں۔

ایوارڈز

۱۔ بہترین ڈراما نگار ایوارڈ (۱۹۶۸)

۲۔ بہترین کہانی کار ایوارڈ (۱۹۷۰)

۳۔ کلچرل اکیڈمی ایوارڈ

(۱۹۷۶)

۴۔اردو اکیڈمی ایوارڈ (۲۰۰۷)

اعزازات:

۱۔ کشمیر سنٹر (۱۹۹۱)

۲۔ گورنر مکہ (سعودی عربیہ)
(۱۹۹۱)

۳۔ مسلم کانفرنس (جدہ) (۱۹۹۲)

۴۔ یونین آف کاشمیر ڈاکٹرس (ریاض) (۱۹۹۲)

۵۔ رابط عالم اسلامی (۱۹۹۲)

۴۔ یوروپین یونین (بروسلیس)
(۲۰۰۵)

۷۔ ایکزیکیٹیو ممبر آف کشمیر پریس ایسوسیئشن۔